
ماہنامہ
مسلمان بچے
185
لاہور
www.musalmanbachay.com
رجب ۱۴۴۴/فروری 2023
مسلمانو...! ہوشیار
ایک اچھوتی تحریر
بھوت کا علاج
حیا
ایک دلچسپ تحریر
چور پکڑا گیا
ہلکی پھلکی مزاحیہ تحریر
اس کے علاوہ
دیگر مستقل سلسلے
اور بہت کچھ
کاش وہ میرا بیٹا ہوتا
نیکی کی تشہیر کرنی چاہیے؟

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی اخلاقی تعلیمی
تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

شمارہ: 7 رجب المرجب ۱۴۴۴ھ بمطابق فروری 2023ء جلد: 16

قیمت فی شمارہ: 60 روپے

سالانہ زر تعاون = /720 روپے

اپنی کہانیاں، مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیل رقم اور حصول رسالہ کیلئے:

مکتبہ ابن مبارک
37۔حق سٹریٹ
اردو بازار۔لاہور
موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں









اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

''اور البتہ ہم تم سے پہلے کئی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جب انہوں نے ظلم اختیار کیا، حالانکہ پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں لائے تھے اور وہ ہرگز ایمان لانے والے نہ تھے، ہم گناہگاروں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔'' (یونس)

حمد باری تعالیٰ

جب لیتا ہوں میں نام ترا مری صبح حسیں ہو جاتی ہے
ہر سانس مہکنے لگتی ہے تابندہ جبیں ہو جاتی ہے
جب صحن چمن میں جاکر میں کھلتی کلیوں کو دیکھتا ہوں
مرے گردو پیش کی ساری فضا فردوس بریں ہو جاتی ہے
جو مانگتا ہوں ترے در سے وہ ملنے میں اگر کچھ دیر بھی ہو
اٹھتے ہیں دعا کو ہاتھ جہاں تسکین وہیں ہو جاتی ہے
سب بگڑے کام انسانوں کے بس تیرے کرم سے بنتے ہیں
ہم آس لگا لیتے ہیں کہیں اور پوری کہیں ہو جاتی ہے
مایوس تو ہوں دنیا سے مگر تری رحمت سے مایوس نہیں
ترے ابر کرم سے اک پل میں شاداب زمیں ہو جاتی ہے
ٹھکرا دیتا ہے اک پل میں وہ کون و مکاں کی دولت کو
جب جوش کسی کے دل میں لگن اللہ کی مکیں ہو جاتی ہے

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''ہر نبی کی ایک دعا ہوتی ہے جو وہ کرتا ہے (اور وہ قبول ہوتی ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا آخرت میں امت کی شفاعت کیلئے محفوظ رکھوں۔'' (بخاری)

نعت رسول مقبول ﷺ

بدل ڈالے جس نے عرب کے نصیب
کیے جس نے یکساں امیر و غریب
خدا نے جسے دی کتاب عجیب
اگرچہ تھا اُمّی مگر تھا ادیب
فصاحت بلاغت تھی قربان اُس پر
نہ کیوں لوگ لے آتے ایمان اس پر
جوانی میں تھا ایسا وہ پاکباز
کہ کرتے تھے سب ہاشمی اس پہ ناز
تھا عربوں کے حالات میں اک تلاطم
محمد میں پنہاں تھا نبیوں کا خاتم
نہ خوبی تھی کوئی برائیاں تھیں ساری
محمد ﷺ نے یوں ان کی حالت سنواری
کہ دنیا نے علم و ہُنر اُن سے سیکھا
اصولِ حکمت کا گر اُن سے سیکھا



ایک دعاء یاد کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔ (بخاری)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مغفرت طلب کرتا ہے وہ مصر (گناہ پر دوام اختیار کرنے والوں میں سے) نہیں خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ وہی گناہ دہرائے۔

فانوس جلا دیجئے

اپنی عادت اپنی خصلت کو بدل سکتا ہے کیا
آدمی انسان کے سانچے میں ڈھل سکتا ہے کیا

جس کو سائے میں خدا رکھے ہمیشہ کے لئے
آتش نمرود سے وہ شخص جل سکتا ہے کیا

پیٹ میں روٹی نہ ہو اور پاؤں میں چپل نہ ہو
ایسے عالم میں کوئی کانٹوں پہ چل سکتا ہے کیا

توڑنا آتا نہ ہو جس کو درو دیوار قید
ایسا قیدی جیل سے باہر نکل سکتا ہے کیا

کوئی دانشور اگر ہوتا تو اس سے پوچھتی
تیز آندھی میں چراغ راہ جل سکتا ہے کیا

اپنی اپنی منزلیں ہیں اپنے اپنے راستے
عمر بھر کوئی کسی کے ساتھ چل سکتا ہے کیا

یاد بابرؒ کو کروں اور سامنے آجائے وہ
ایسی یادوں کا کوئی فانوس جل سکتا ہے کیا

ہمشیرہ بابر آفریدی شہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلسَّلَامُ عَلَیکُم

استقبال رمضان کے مہینوں کا آغاز ہوگیا۔مسنون دعاء دہرالیں اور ذہن نشین کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِی رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَان

دوسرا سبق قرآن مجید کا تازہ کرلیں۔یوں تو مسلمان کا قرآن مجید سے تعلق سال بھر قائم رہنا چاہیے۔اور زندگی کے ہر دن یہ تعلق وفاداری کے ساتھ نبھانے کی فکر رہنی چاہئے لیکن رمضان المبارک تو بطور خاص قرآن مجید کا مہینہ ہے اس لئے اس کی آمد سے قبل ہی خود کو تلاوت قرآن کی کثرت کا عادی بنالینا چاہئے تاکہ رمضان المبارک آنے تک زبان خوب عادی ہوجائے اور وقت بھی تلاوت کی قید میں آجائے۔رمضان آنے کے بعد اس کی کوشش کی جائے تو مشکل ہوتی ہے، زبان نہیں چلتی، دل لگانا مشکل ہوتا ہے اور وقت کی پابندی بھی نہیں ہوپاتی۔

نبی کریم ﷺ کے مبارک مسنون عمل سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ رمضان المبارک میں جو عبادت اچھی طرح اداء کرنی ہو اسکی عادت پہلے سے بنانی چاہئے، آپ ﷺ سال کے ہر مہینے میں کچھ دن ضرور نفلی روزوں کا اہتمام فرماتے تھے لیکن شعبان کے مہینے میں سب سے زیادہ روزے رکھتے تھے۔یہ اہتمام اس لئے تھا کہ رمضان کی آمد سے قبل ہی روزوں کی عادت ہوجائے اور جسم روزے کے حالت میں عبادات کی ادائیگی کا عادی بن جائے اور روزہ رکھ کر بھول جانے کا خدشہ کم ہوجائے۔

تو ہم بھی رمضان المبارک کی تیاری کے لئے ان اعمال کو ابھی سے اپنالیں۔حتی الوسع نفل روزے رکھنا شروع کر دیں اور جوں جوں رمضان قریب آتا جائے ان کی تعداد بڑھاتے جائیں۔

تلاوت کی کثرت کا اہتمام کرنا شروع کر دیں اور روزانہ اس کی کچھ نہ کچھ تعداد بڑھائیں۔ زبان، آنکھ، کان کی گناہوں اور فضولیات سے حفاظت کا اہتمام شروع کر دیں تاکہ رمضان آنے تک عادت پختہ ہو جائے۔نوافل کی تعداد میں اضافہ کرنا شروع کر دیں اور یہ سب اعمال اس طرح اختیار کریں کہ دوام کے ساتھ چلتے رہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ دن زور لگا کر پھر تھک ہار کر اکتا کر بیٹھ جائیں۔سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو دوام اور ہمیشگی کے ساتھ کیا جائے اگرچہ مقدار میں کم ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو اسامہ

ڈھیٹ پن کا علاج

محمد فیصل علی

گھر کا دروازہ عبور کرتے ہی فرحان رک گیا۔

اس کے چہرے پر غصے اور ناراضگی کے تاثرات عیاں تھے۔اس نے وہیں رک کر اطمینان سے جوتے اتارے اور پھر انھیں ہوا میں گھماتے ہوئے لان میں پھینک دیا، ساتھ ہی وہ بلند آواز میں چلایا:

’’مجھے نئے جوتے چاہئیں، میں ہر صورت نئے ہی لوں گا۔‘‘

سامنے صحن میں اس کی دادی اور امی حیران و پریشان یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔

’’فرحان بیٹے ! یہ کیا حرکت ہے؟ اب ننگے پاؤں جاتے ہوئے اچھے لگ رہے ہو کیا؟‘‘

امی جان نے اسے پکار کر کہا مگر وہ تو دندناتا ہوا اپنے کمرے میں گھس چکا تھا۔

دادی اماں نے زیرِ لب لاحول ولاقوۃ پڑھنے پہ اکتفا کیا پھر وہ بولیں۔

’’بیٹی !اس بچے کا کیا بنے گا آخر؟‘‘

’’اللہ خیر کرے امی جان! میں خود بہت پریشان ہوں، ابھی تو دس سال کا ہے، اگر اسی



مزاج میں بڑا ہوتا گیا تو یہ عادات پختہ ہو جائیں گی۔"امی جان نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

"عجب بھوت سوار ہے اس پر نئی چیزوں کا، آج ارسلان بیٹے سے بات کرتی ہوں میں" دادی جان نے فرحان کے ابو کاذکر کرتے ہوئے کہا۔

"جی بالکل! مل جل کر کوئی مشورہ کرتے ہیں۔"امی نے دادی جان کی تائید کی۔

❁......❁......❁

شام کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔سبھی لوگ دسترخوان پہ جمع تھے۔کھانے کے دوران امی جان نے بات شروع کی۔

"فرحان بیٹے! آپ نے آج اسکول سے آتے ہی نئے جوتوں کا کہا تھا،لیکن آپ کے جوتے تو بالکل صحیح سالم پڑے ہیں،میں چیک کر چکی ہوں۔"

"نہیں! وہ پرانے ہو چکے ہیں، میں کل اسکول نئے جوتے پہن کر جاؤں گا۔"فرحان نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"جوتے کیا ہو چکے ہیں؟"ابو نے نوالہ توڑتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

"پرانے!!!ایک تو سنتے ہی نہیں ہیں آپ"

فرحان نے چلاتے ہوئے کہا۔

"آہستہ،آہستہ۔ میرے شیر! بڑوں کے سامنے آہستہ آواز میں بولتے ہیں۔"

دادی جان نے مسکراتے ہوئے نصیحت کی۔

"ہونہہ،آہستہ،تاکہ ایک بات بتانے میں دس گھنٹے لگ جائیں۔" فرحان نے برا سا مونہہ بنایا۔

"بیٹے! آپ کیسے بول رہے ہو،دادی جان تو آپ کو نرم انداز میں بات کرنے کا کہہ رہی ہیں۔"

امی نے اسے پیار سے سمجھایا۔

"اچھا!اچھا!ٹھیک ہے۔"

فرحان نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اسی اثناء میں ارسلان صاحب نے کھانا مکمل کر لیا تھا،وہ دسترخوان سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"فرحان! تم میرے کمرے میں آؤ ذرا!"

یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔فرحان نے امی اور دادی کو دیکھا،پھر بولا۔

"آپ دونوں ساتھ چلیں گی تو جاؤں گا ورنہ نہیں۔"

"اچھا! بابا ٹھیک ہے،اب جلدی سے کھانا ختم کرو!"

امی نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا،دادی جان پوتے کو دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھیں۔

❁......❁......❁

فرحان گھر بھر کا اکلوتا بچہ تھا۔اس لیے اسے بہت لاڈ پیار سے پالا پوسا گیا تھا۔

اب اس بے جا لاڈ کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے اور فرحان ہر دوسری بات پہ ضد کرتا اور اپنی پسند کے راستے پہ چلا جا رہا تھا۔جس کی وجہ سے اس

کے اندر کئی بری عادات پیدا ہو چکی تھیں۔
جن میں سے ایک عادت یہ تھی کہ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں ایک ماہ استعمال کرنے کے بعد پھینک دیتا تھا۔مثال کے طور پر اسکول بیگ، یونیفارم، جوتے، اسکول کی کتابیں وغیرہ۔
اس کے بقول یہ اب پرانی ہو چکی ہیں جب کہ چیزیں تو قابل استعمال ہوتی تھیں۔
آج ارسلان صاحب نے عزم کیا ہوا تھا کہ وہ فرحان کو سمجھا کر ہی رہیں گے اور اس سے یہ بری عادت چھڑانے کی بھرپور کوشش کریں گے، اس مقصد کے لیے انھوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور دو رکعت نماز حاجت ادا کر کے دعا کی اور اب وہ بے چینی سے فرحان کے منتظر تھے۔اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی:
''ٹھک ٹھک ٹھک!!''
''آجاؤ!'' ارسلان صاحب بولے۔
دروازہ آہستگی سے کھلا اور فرحان اپنی دادی اور امی کے ساتھ نمودار ہوا۔
''اوہو! وکیل بھی ساتھ ہیں۔''
ارسلان صاحب مسکرائے۔
''جی! جی بالکل! آپ لگائیں عدالت!''
امی نے ہنس کر کہا۔
''عدالت یہاں نہیں، فرحان میاں کے کمرے میں لگنی ہے، چلیں سب!''
ارسلان صاحب نے کہا تو سبھی چونک پڑے۔
''ہائیں، میرے کمرے میں، مگر کیوں؟''
فرحان حیران تھا۔
''تم چلو تو سہی'' ابو نے اسے کہا اور پھر وہ سب فرحان کے کمرے میں پہنچ گئے۔ابو کمرے کا جائزہ لے رہے تھے اور باقی سب لوگ ان کا جائزہ لینے میں منہمک تھے، کسی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر ارسلان صاحب کیا کرنے والے ہیں۔
آخر ابو کی آواز ابھری۔
''بیگم!! ہمارا بیٹا پرانی چیزیں بالکل پسند نہیں کرتا اور یہ اس کا حق ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس کے کمرے میں کوئی بھی پرانی چیز نہ ہو۔''
''جی ی ی ی!!!!''
فرحان کی امی کے مونہہ سے مارے حیرت کے نکلا۔
''جی ہاں، اب میں پرانی چیزیں الگ کر رہا ہوں، آپ انھیں یہاں سے فوراً نکال کر باہر پھینک دیں۔'' ارسلان صاحب نے بھی انہی کے انداز میں کہا۔
''مم مگر یہ تو میرے کھلونے ہیں۔''
فرحان ہکلایا۔
''ہاں ہاں مجھے پتہ ہے مگر یہ سب تو بہت پرانے ہو چکے ہیں ناں؟''
ابو نے کہا اور پھر وہ چیزیں نکالنے لگے۔
ساتھ ساتھ وہ چیزوں کے نام بھی لیتے

جا رہے تھے۔

''یہ ٹرافیاں، کھلونے، اور ہاں یہ ویڈیو گیم، یہ سب پرانی ہیں۔''

فرحان یہ سب دیکھ کر ہونٹ چبا رہا تھا، آخر اس نے چیخ کر کہا۔

''پھر میں یہ سب چیزیں نئی لوں گا ابو!!۔''

اس نے گویا دھمکی دی۔

''ضرور کیوں نہیں، جیسے ہی نئے پیسے آئیں گے لے لینا۔''

ابو نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟''

فرحان دھک سے رہ گیا تھا۔

''یہ لو بھئی! دیکھ لو! سارے نوٹ پرانے ہیں، ہر نوٹ پہ تاریخ لکھی ہے۔''

ابو نے جیب سے کرنسی نوٹس نکال کر بیڈ پہ بکھیر دیئے تھے۔ اب فرحان لاجواب سا ہو گیا تھا اور بغلیں جھانکنے لگا تھا۔

''کیوں فرحان میاں کیا کہتے ہو؟''

ابو نے اس سے پوچھا۔

''سوری ابو!''

فرحان کے مونہہ سے نکلا اور وہ ساتھ پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔

یہ دیکھ کر امی، دادی اور مسکرانے لگے۔ ابو اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے اور بولے۔

''میرے پیارے بیٹے! فضول خرچی اچھی چیز نہیں ہے۔ قرآن پاک میں فضول خرچ کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جس کی ضرورت ہو صرف وہی خریدیں اور اس سے مکمل فائدہ اٹھائیں۔''

فرحان اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اس کے ذہن کی دنیا آہستہ آہستہ بدل رہی تھی۔ اس کا نئی چیزیں لینے کا بھوت آہستہ آہستہ اترتا جا رہا تھا۔

امی، ابو اور دادی اس کا بدلتا چہرہ پڑھ رہے تھے اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالا رہے تھے۔ الحمدللہ رب العالمین۔

جمعہ پائیے، گناہ بخشوائیے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور خوب پاکی حاصل کی اور تیل یا خوشبو استعمال کی، پھر جمعہ کے لیے چلا اور دو آدمیوں کے بیچ میں نہ گھسا اور جتنی اس کی قسمت میں تھی، نماز پڑھی، پھر جب امام باہر آیا اور خطبہ شروع کیا تو خاموش ہو گیا، اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''

کاش! وہ میرا بیٹا ہوتا



شکیل، جاوید، اختر اور اسلم واک کر کے تھک گئے تو وہیں ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔

جاوید نے پانی کی بوتل منہ سے لگالی۔ وہ چاروں بہت اچھے دوست تھے۔ ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔

ان کے بچے حارث، گوہر، عدیل اور فہد بھی ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے۔

اختر نے اپنا موبائل فون نکال لیا اور اب وہ ان تینوں کو ایک نئی ویڈیو دکھا رہا تھا۔

جی ہاں! اپنے بیٹے حارث کی ویڈیو جو اسکے بقول اس نے چھپ کر بنائی تھی۔ حارث ایک نابینا کو سڑک پار کروا رہا تھا۔

وہ سکول کی یونیفارم میں ملبوس تھا۔ اختر صاحب بڑے فخر سے کہہ رہا تھا۔

''میرا بیٹا میرا فخر ہے۔ اس طرح چھپ کر نیکیاں کرتا ہے کہ ماں باپ کو بھی نہیں پتہ چلتا۔ یہ تو میں نے کل دفتر جاتے ہوئے اسے دیکھ لیا تو ویڈیو بنالی''، شکیل اور اسلم منہ بنا گئے۔ وہ اب زیادہ متاثر نہیں ہوتے تھے مگر جاوید صاحب بہت متاثر ہوتا تھا۔

اختر صاحب نے اپنے بیٹے کی تعریفوں میں زمین آسمان ایک کر دیئے۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔ حارث کوئی اچھا کام کرتا تو باپ کہیں سے نمودار ہو جاتا اور بطور ثبوت کے وہ اسکی ویڈیو بنا لیتا اور



پھر فخریہ انداز میں وہ ویڈیو اپنے دوستوں کو دکھاتا اور پھر فیس بک پر اپ لوڈ کر دیتا۔

محلے والے حارث کی بڑی تعریفیں کرتے کہ حارث بڑا ہی نیک بچہ ہے۔سب کی مدد کرتا ہے سب کے کام کرتا ہے۔اختر کا سینہ فخر سے تن جاتا۔ وہ دوستوں میں اتراتا رہتا۔شکیل اور اسلم زیادہ متاثر نہ ہوتے۔

ان کا خیال تھا کہ یہ سب ڈرامہ ہے جو وہ باپ بیٹا کرتے ہیں مگر جاوید صاحب بہت متاثر ہوتا تھا۔وہ اپنے بیٹے پر کڑھتا رہتا اور اُسے برا بھلا کہتا کہ دیکھو حارث کتنا پیارا بچہ ہے سب اختر کی اور اس کے بیٹے کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں مگر ایک میرا بیٹا ہے۔ایک دم نکما،نکھٹو اور کام چور۔وہ ٹھنڈی آہ بھر کر کہتا:

''آہ کاش!وہ میرا بیٹا ہوتا!''

گوہر گھر میں داخل ہوا۔اس کی والدہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی۔جاوید چارپائی پر بیٹھا اخبار بھی پڑھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ مسواک بھی کر رہا تھا۔گوہر جاوید کے پاس آیا۔

''ابو جی!مجھے پانچ سو روپے چاہئیں''

''پوچھ سکتا ہوں؟ کیوں؟ اور کس لیے؟''

جاوید صاحب اسے گھورتے ہوئے بولے۔

''وہ ابو! دراصل میں،فہد،حارث اور عدیل گھومنے جا رہے ہیں اس لئے''

''کہاں گھومنے جا رہے ہو؟ برخودار!''

''وہ ابو!ادھر ہی قریبی پارک میں۔''

''نہیں ہیں میرے پاس کوئی پیسے۔'' جاوید صاحب ٹکا سا جواب دے کر دوبارہ سے اخبار پڑھنے لگا۔

''ابو کیا ہو جائیگا اگر۔۔۔'' گوہر کی بات مکمل بھی ناں ہوئی کہ جاوید صاحب چیخ پڑے۔

''نہیں ہیں میرے پاس کوئی، نالائق۔بس فضول خرچی ہی کرتے رہنا کوئی ڈھنگ کا کام ناں کرنا۔ایک تم ہو اور دوسرا وہ حارث! کتنا پیارا بچہ ہے۔سب کی زبانوں پر اس کی تعریف ہے۔''

اس کی والدہ کچن سے نکل آئی۔وہ گوہر کو خود سے لپیٹے ہوئے بولیں۔

''کیوں ڈانٹ رہے ہیں آپ بچے کو؟ پانچ سو ہی تو مانگے ہیں۔آؤ بیٹا! میں دیتی ہوں آپ کو پیسے۔آئندہ مجھ سے مانگا کرو!''

''ہاں! ہاں! اور بگاڑو اپنے لاڈلے کو اسی لیئے تو بگڑ گیا ہے۔''

اس کی والدہ پانچ سو کا نوٹ لے آئی اور گوہر کو دیتے ہوئے بولی۔

''یہ لو بیٹا! جاؤ جو بھی لینا چاہو لے لو!'' امی نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

گوہر امی کو دیکھ کر مسکرایا، جاوید صاحب تلملا کر رہ گیا۔

''نکما، نالائق۔پتہ نہیں کیا سوچ کر میں نے اس کا نام گوہر رکھا۔کاش کہ حارث میرا بیٹا ہوتا''

دروازے سے نکلتے ہوئے گوہر نے یہ سنا تھا۔

ایک اداس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

آج اتوار تھا تو چاروں دوستوں نے گھومنے پھرنے کا پلان بنایا تھا۔

حارث، فہد اور گوہر اب عدیل کو لینے اس کے گھر جا رہے تھے۔

وہ گلی سے گزر رہے تھے کہ انھیں راشدہ بُوا کے ادھ کھلے دروازے سے بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ تینوں کے بڑھتے قدم رک گئے۔ راشدہ بُوا کی پانچ سالہ بیٹی روتے ہوئے بولی۔

''اماں! کھانا۔۔۔بہت بھوک لگی ہے''

''کہاں سے لاؤں کھانا؟ ہاں بتاؤ! کس کس کے آگے جا کر ہاتھ پھیلاؤں میں؟'' راشدہ بوا رو پڑی۔

وہ اپنے تینوں بچوں کو اپنے سینے سے لگائے بچوں کیساتھ خود بھی رو رہی تھی، تینوں کو بے حد دکھ ہوا تھا۔

عدیل بھی ناں جانے کب آیا اور یہ منظر دیکھا۔ انھیں علم نہ ہو سکا۔

''آہ! بے چاری راشدہ بُوا۔ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیئے۔'' حارث نے کہا۔ عدیل اور فہد حارث کو دیکھنے لگے۔

''یار! بوا بے چاری بیوہ ہیں۔ وہ خود دار ہیں اسی لیے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا رہیں۔ ہمیں یہ پیسے ان کو دے دینے چاہئیں۔'' حارث نے کہا۔

''کیا یار! اتنی بے عزتی کے بعد یہ پیسے ملے ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ بوا کو دے دیں۔

یار کمال کرتے ہو۔ ہم نے کسی کی مدد کا ٹھیکہ تو نہیں اٹھا رکھا۔ بوا کی اپنی غلطی ہے کہ اس نے

نہایت عمدہ دعا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب کوئی مسلمان یا کوئی آدمی یا کوئی بندہ (یہ راوی کا شک ہے کہ کون سا کلمہ ارشاد فرمایا) صبح و شام یہ کہتا ہے:

''رَضِيتُ بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَبِيًّا۔''

تو اللہ تعالیٰ پر اس کا یہ حق بن گیا کہ وہ قیامت کے دن اسے خوش کرے۔''

(سنن ابن ماجہ)

کیوں کسی سے مدد طلب نہیں کی؟'' گوہر نے اپنی مٹھی میں پکڑے پانچ سو کے نوٹ پر گرفت مضبوط کی اور کہا۔

''ہاں یار! گوہر ٹھیک کہہ رہا ہے اتنی مشکل سے پیسے ملے ہیں چلو انجوائے کرتے ہیں۔''

عدیل اور فہد جو کہ بُوا کی مدد کیلئے نیم رضامند ہوئے تھے ان کی بھی نیت بدل گئی۔

حارث کی رحمدلی بھی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی اور وہ لوگ روانہ ہو گئے۔

❀......❀......❀

گوہر مسکرا رہا تھا۔ مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ راشدہ بوا نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا لئے۔ اس کی تین سالہ بیٹی بولی۔

''امی! کیا آج بھی کھانا نہیں ملے گا؟''

''ناں میرا بچہ! اللہ تعالیٰ تو رازق ہے۔ وہ ہمیں ہمارے حصے کا رزق ضرور بھیجے گا۔''

راشدہ بوا نے تڑپ کر اسے سینے سے لگا لیا اور روتے ہوئے بولی۔

''امی! کیا اللہ تعالیٰ اوپر سے کھانا پھینکے گا؟''

راشدہ بوا کی پانچ سالہ بیٹی معصومیت سے بولی۔ اس سے پہلے کہ راشدہ بوا اسے جواب دیتی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ بوا کی پانچ سالہ بچی خوش ہو کر بولی۔

''امی! ضرور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کھانا بھیجا ہو گا۔''

مگر بوا کو اس کو امید نہیں تھی۔ بُوا نے جوں ہی دروازہ کھولا۔ بُوا نے دیکھا کہ ایک بچہ جس نے کالی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ وہ بھاگتا ہوا گلی سے نکل گیا۔

بُوا نے افسوس سے سر ہلایا کہ یہ بچہ شرارت سے دروازہ کھٹکا کر بھاگ گیا۔ وہ جونہی دروازہ بند کرنے لگی تو اس کی نظر نیچے دروازے کے پاس جا پڑی۔ ایک کالا بڑا سا شاپر رکھا تھا۔

اس نے شاپر اٹھایا اور دروازہ بند کر کے اندر آ گئی۔ تینوں بچے ماں کے ارد گرد آ کھڑے ہوئے۔

''امی! کیا ہے اس میں؟'' چھوٹی بیٹی نے سوال کیا۔

راشدہ بُوا نے جونہی شاپر کھولا تو کھانے کی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔

جب کھولا تو شاپر میں پارسل بریانی تھی، گوشت کا سالن اور روٹیاں تھیں۔

''امی! اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کھانا بھیج دیا۔'' بچے خوشی سے چلا اٹھے۔

راشدہ بُوا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

اس رات انہوں نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور کافی بچ بھی گیا تھا۔ جو بُوا نے صبح کے لیے رکھ دیا تھا۔ بچے چین کی نیند سو چکے تھے۔

راشدہ بُوا نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے اور اس بچے کے لیے دعائیں کرنے لگی۔

پھر یہ معمول رہنے لگا کہ وہ کالی جیکٹ والا بچہ ہر روز صرف مغرب کے بعد پارسل کیا ہوا کھانا بُوا کے دروازے پر رکھتا اور دروازہ کھٹکھٹا کر بھاگ جاتا۔

بُوا نے کئی بار جلدی سے دروازہ کھولا تاکہ اس بچے کو دیکھ سکے مگر وہ ہر بار ناکام ہی رہی۔ مگر پھر ایک بار بُوا نے محلے کی کسی عورت کو بتایا تو بات اڑتے اڑتے پورے محلے میں پھیل گئی کہ ایک کالی جیکٹ والا بچہ پچھلے ایک مہینے سے بُوا کی مدد کر رہا ہے۔ سب اس بچے کی تعریف کر رہے تھے۔ مگر پھر ایک بار عدیل کے والد نے بھی اس بچے کو دیکھ لیا۔

ہاں! وہ سو فیصد کہہ سکتا تھا کہ وہ کالی جیکٹ والا حارث ہی تھا۔ وہ اس کا چہرہ تو نہ دیکھ سکا تھا مگر جیکٹ سے پہچان لیا گیا تھا۔

شکیل نے ان تینوں کو بتا دیا کہ وہ بچہ کوئی اور نہیں حارث ہی ہے۔ اختر تو ہواؤں میں اڑنے لگا۔

''آہ! میرا پیارا بچہ ایک مہینے تک چھپ چھپ کر نیکی کرتا رہا اور مجھے علم تک نہ ہو سکا۔ جاوید صاحب ایک بار پھر احساس کمتری کا شکار ہونے لگا۔ وہ دل میں بولے۔

''آہ کاش! وہ میرا بیٹا ہوتا!''

''ہمیں اس بچے سے سبق سیکھنا چاہیے۔ ہمیں راشدہ بُوا کی مدد کرنی چاہیے۔ وہ بیوہ عورت ہے۔'' اسلم نے کہا۔

''ہاں اسلم ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' شکیل نے بھی اسلم کی بات کی تائید کی۔

اسلم نے مزید کہا کہ ہمیں اس بچے کو اس کے اس نیک کام کی داد دینی چاہیے تاکہ محلے کے دوسرے بچوں میں بھی نیکی کا جزبہ پیدا ہو۔

''ہاں بالکل!'' اختر نے کہا۔

پھر طے پا گیا۔

❀......❀......❀

مغرب کی اذان ہو چکی تھی وہ بچہ ہاتھوں میں شاپر پکڑے ادھر اُدھر دیکھتا ہوا گلی میں داخل ہوا اور تیزی سے راشدہ بوا کے دروازے پر شاپر رکھا اور دروازے پر دستک دی۔

شکیل، اسلم، جاوید اور اختر کے ساتھ باقی محلے کے لوگ چھپ کر اس بچے کے پیچھے گلی میں داخل ہوئے۔

''یہ جلوس کی شکل میں کہاں جا رہے ہیں؟'' فہد نے کہا۔

''اللہ ہی خیر کرے۔ چلو ان کے پیچھے جاتے ہیں۔'' عدیل نے کہا۔

وہ تینوں بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔

وہ دستک دے کر جونہی پلٹا، سامنے محلے والوں کو اور اپنے والد کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس نے اپنا چہرہ مفلر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اختر صاحب نے

اپنا موبائل آن کیا اور ویڈیو بنانے لگا۔ وہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

راشدہ بُوا بھی باہر نکل آئی۔ تبھی وہ تینوں بھی رش کو چیرتے ہوئے اندر آئے۔ تو سامنے وہ کالی جیکٹ والا کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔

''گوہر! تم؟ تم ادھر کیا کر رہے ہو؟ تم تو کہہ رہے تھے کہ تم گھر جا رہے ہو؟'' فہد نے کہا۔

''گوہر؟ گوہر؟''

سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہیں اختر صاحب اور جاوید صاحب چونک پڑے۔ جاوید صاحب کو یقین نہ آ رہا تھا۔ وہ بمشکل بول پائے۔

''گوہر۔۔''

گوہر نے سر اٹھایا اور مفلر ہٹایا تو جاوید صاحب کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

اختر شرمندہ شرمندہ سا کھڑا تھا۔ اس نے اپنا موبائل فون نیچے کر لیا تھا۔ اسلم اور شکیل صاحب مسکرائے اور آگے بڑھ کر گوہر کو گلے لگا لیا اور داد دیتے ہوئے بولے۔

''شاباش! گوہر بیٹے! شاباش! تم نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا اور ہمیں احساس بھی دلا دیا۔ آج کے بعد ہم مل کر راشدہ بُوا کی مدد کریں گے۔ بیٹا! تم نے ہمیں پہلے کیوں نہ بتایا؟''

''انکل! میں اپنی نیکی کی تشہیر نہیں چاہتا تھا۔ جو نیکی کا اجر دیتا ہے وہ تو اچھی طرح سے جانتا تھا۔ راشدہ بُوا اور اس کے بچے کئی دن سے بھوکے تھے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ مجھ سے جو ہو سکا وہ میں نے کیا۔

میں نے حارث کی جیکٹ ہر بار اس لیے پہنی کہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے۔ اگر میں آپ لوگوں کو اس بارے میں بتاتا تو میری نیکی کا اجر ضائع ہو جاتا اور لوگ میری تعریفیں کرتے۔

میری نیکی میں ریاکاری کی ملاوٹ ہو جاتی جو کہ یقینی بات ہے۔'' گوہر نے سر اٹھایا اور کہا۔

اختر صاحب شرمندہ ہو گئے۔ اسے آج احساس ہوا تھا کہ واقعی میں وہ تو اپنے بیٹے کی نیکیوں کی تشہیر کر کے انہیں ضائع کر رہا تھا۔ مگر آج گوہر نے اسے احساس دلایا تھا۔ سب کی آنکھوں میں آنسو تھے خاص کر جاوید صاحب کے۔ وہ آگے بڑھا اور گوہر کو سینے سے لگا لیا۔

''آج میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ گوہر میرا بیٹا ہے۔ میرا فخر ہے۔''

راشدہ بُوا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ آج جاوید صاحب کی بجائے اختر، اسلم اور شکیل اور باقی سب لوگ یہ دل میں سوچ رہے تھے کہ:

''کاش! وہ ہمارا بیٹا ہوتا!''

ام محمد عبداللہ

دوسرا گھر



اسراء اور معراج

اللہ عزوجل کی ان عظیم الشان نشانیوں میں سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور اللہ کے نزدیک آپ ﷺ کے عظیم مقام و مرتبہ پر دلالت کرتی ہے، نیز اس سے اللہ عزوجل کی حیرت انگیز قدرت اور اس کے اپنی تمام مخلوقات پر اعلیٰ وارفع ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”سُبحَانَ الَّذِي أَسرَى بِعَبدِهِ لَيلًا مِنَ المَسجِدِ الحَرَامِ إِلَى المَسجِدِ الأَقصَى الَّذِي بَارَكنَا حَولَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ البَصِير۔“

”پاک ہے وہ جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے بہت برکت دی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بلاشبہ وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے دو مقدس گھروں مسجد الحرام اور مسجد الاقصیٰ کا ذکر کیا ہے۔ مسجد الحرام وہ پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا جبکہ دوسرا مسجد الاقصیٰ ہے جیسا کہ اس حدیث نبوی محمد ﷺ سے ہمیں پتا چلتا ہے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا۔

یارسول اللہ ﷺ! کرہ ارض پر سب سے پہلی مسجد کون سی تعمیر کی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”مسجد الحرام“

پھر عرض کیا دوسری کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

”مسجد الاقصیٰ“

انہوں نے سوال کیا ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
"چالیس سال۔" (صحیح بخاری)

جیسے مسجد الحرام کی اہمیت و فضیلیت ثابت ہے بعینہٖ مسجد الاقصیٰ کے مقدس اور بابرکت ہونے میں بھی کوئی دو رائے نہیں ہیں۔ متعدد قرآنی آیات اور احادیث مسجد الاقصیٰ کی فضیلیت اور اہمیت پر دلیل ہیں۔

مسجد الاقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نبوت کے تیرہ سالہ مکی دور میں اور ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک صحابہ اکرامؓ کے ساتھ تحویل قبلہ کا حکم آنے تک مسجد اقصیٰ ہی کی جانب رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔

مسجد الحرام اور مسجد نبوی محمد ﷺ کے ساتھ ساتھ یہی وہ مقام ہے جس کے لیے برکت اور ثواب کی نیت سے سفر کیا جا سکتا ہے۔

زمین کی پشت پر یہ ہی وہ واحد جگہ ہے جس میں ایک ہی وقت میں تمام انبیاء کرام کا اجتماع ہوا اور تمام انبیائے کرام علیھم السلام نے ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

یہ اعزاز کسی اور جگہ کو حاصل نہیں ہے۔ مزید براں مسجد الاقصی میں پڑھی جانے والی نمازوں کا ثواب دو سو پچاس نمازوں کے برابر ہے۔

مسجد الحرام کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی اور بعد ازاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیھم السلام نے انہی بنیادوں پر دوبارہ اسے تعمیر کیا۔

مسجد الاقصیٰ کے ضمن میں بعض مورخین حضرت یعقوب علیہ السلام کو مسجد الاقصی کا بانی قرار دیتے ہیں مگر اوپر بیان کردہ صحیح البخاری کی حضرت ابوذرؓ کی روایت کردہ حدیث سے بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مسجد الاقصیٰ کے بانی بھی خود جناب آدم علیہ السلام ہی ہیں اور بعد میں آنے والے انبیائے اکرام، اقوام اور حکمران محض اس کی تعمیر نو کرنے والے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی اسی تجدیدی تعمیر میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحق، حضرت یعقوب، حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیھم السلام کے نام تاریخی کتب میں مختلف آرا کے ساتھ موجود ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تجدیدی تعمیر کو یہود ہیکل سلیمانی کا جواز بنا کر پیش کرتے ہیں اور اسی جگہ ہیکل سلیمانی کے وجود کا بے بنیاد دعوی کرتے ہیں جبکہ مسجد اقصیٰ سے نیچے کھدائیوں کے باوجود آج تک کسی دوسری عمارت کا کوئی نام و نشان انہیں نہیں مل سکا۔

یوں ان کی اپنی تحقیق بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ انبیائے کرام علیھم السلام کے ادوار سے اس بابرکت مقام پر مسجد الاقصی ہی کا وجود ہے اور مسلم امہ کو تو معلوم ہونا ہی چاہیے کہ انبیائے کرام مساجد ہی تعمیر فرماتے تھے ہیکل نہیں لیکن افسوس کہ آج

ہم مسلمان مسجد الحرام کو تو اپنا سمجھتے ہیں مگر مسجد الاقصیٰ بھی ہماری ہی قیمتی میراث ہے کو سمجھنے اور جاننے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے منصب کو سمجھ ہی نہیں پا رہے کہ ہم ہی امت وسط ہیں۔ ہم ہی انبیائے کرام اور مسجد الحرام، مسجد نبوی محمد ﷺ اور مسجد الاقصیٰ کے حقیقی وارث ہیں۔ جہاں ہم اپنے فرائض سے کوتاہی کے مرتکب ہو کر انسانیت کو مادہ پرستی کی جہالت میں ڈوبتا دیکھ کر خاموش ہیں وہیں مسجد الاقصیٰ کے پنجہ یہود میں جکڑے جانے پر بھی ہم پر غفلت کا عجب سکتہ طاری ہے۔

آج صورتحال یہ ہے کہ ہماری اس مقدس عبادت گاہ کا تقدس آئے دن یہود کے ناپاک اور مغضوب وجود سے پامال ہو رہا ہے۔ نصاریٰ ان کی پشت پر ان کے نگہبان بن کر کھڑے ہیں۔

کفار عالم تماش بین ہے اور ہم انتشار کا شکار، اپنی تاریخ اپنی میراث سے بے خبر اور بے پروا زندگی کی صبحیں اور شامیں بے سمت و بے مقصد گزار رہے ہیں۔

فقط چند نہتے فلسطینی یہود کے ناپاک عزائم کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہیں۔ یہاں ایک لمحہ ٹھہر کر چشم تصور میں ایک منظر لائیے!

آپ کا بھائی اپنے آباواجداد کے زمانے سے بنائے گھر (گھر جس میں آپ کا حصہ بھی ہے) میں آرام سے رہ رہا ہے۔ اچانک کچھ لوگ چند اجنبیوں کو اپنا ہمنوا بنا کر اس گھر کے پورچ میں داخل ہوتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ پورچ ان کا ہے پھر رفتہ رفتہ وہ مسلح ہو کر لاؤنج میں گھستے ہیں پھر کمروں پر قبضہ جماتے ہیں۔

رفتہ رفتہ وہ بقیہ گھر بھی ہتھیا رہے ہیں اور آپ کے بھائی کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اس گھر سے نکل جائے اس کشمکش میں آپ کی ڈیڑھ سال کی کلکاریاں مارتی بھتیجی ان کی گولی کا نشانہ بن کر سکتے ہوئے مر چکی ہے کیونکہ ان لوگوں کے مقابلے کے لیے آپ کے بھائی کے پاس کوئی اسلحہ نہیں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مل کر گھر میں موجود چمچ اور چپل جیسی چیزوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کر رہا ہے۔

ایسے میں آپ کا بھائی مسلسل اپنے اور آپ کے گھر پر قابض ہوتے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کو آوازیں دے رہا ہے۔ مدد کے لیے بلا رہا ہے۔

لیکن آپ اس کی مدد کو نہیں جا رہے۔

کیوں؟

یا تو آپ سرے سے اس واقعے سے لاعلم ہیں یا آپ نے اپنے اور بھائی کے دشمنوں سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے پرکھوں کی امانت گھر اور اپنے پیارے بھائی کو دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔

بالکل ایسی ہی صورتحال فلسطین (ہمارے

گھر)، فلسطینی (ہمارا بھائی اور اس کے بیوی بچے) اور ہماری (تمام عالم اسلام اور ہم پاکستانی بالخصوص) ہے جو دشمن (اسرائیل) کے خلاف نہتے مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لیے ہم سب کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

اب سوچیے! ہم اہل فلسطین جو مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لیے سر پر کفن باندھے ہوئے ہیں کہ ساتھ کیوں نہیں کھڑے؟

کیا ہم نے مسجد اقصیٰ اور اہل فلسطین کو اپنے دنیاوی آرام و آسائش کے عوض یہود کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے؟

اگر نہیں تو پھر ہم یقیناً حالات کی سنگینی سے ناواقف ہیں۔

یہود مسلسل فلسطین و شام، مسجد اقصیٰ اور اس کے گردونواح میں موجود مقدس سرزمین پر قابض ہو رہے ہیں۔ یہ سب زور و شور سے ہو رہا ہے مگر کیا کبھی گھر، اسکول، کالج، جامعات ٹیوشن یا قرآن پڑھانے والے اساتذہ، دینی ادارے، مساجد کے منبر، ٹی وی چینلز یا کسی بھی قسم کے جلسے جلوسوں میں سے کبھی مسجد اقصیٰ کے حوالے سے بات ہوئی۔ سروے کرلیں 99.99 فی صد جواب نہیں میں ملے گا۔

ہمیں چونکہ مسجد اقصیٰ ہی کی بات کبھی سنے کو نہیں ملی تو وہاں کے حالات کو سمجھنا، ان حالات کی سنگینی کو جانچنا اور پھر اس سے نمٹنے کے لیے اٹھ کھڑے ہونا تو بڑی دور کی بات ہے۔

یاد رکھیے! لاعلمی خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔

اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو مسجد اقصیٰ کی اہمیت وفضیلیت اور اس سے متعلق یہود کے ناپاک عزائم کا علم دیں۔

سنیں تو سہی!

فلسطین کی سپریم اسلامی کونسل کے رہنما اور خطیب مسجد اقصیٰ عکرمہ صبری اور وہاں کے دیگر علماء مسلسل مسلم دنیا کے نام پیغامات اور تنبیہات نشر کر رہے ہیں۔

خطیب مسجد اقصیٰ عکرمہ صبری نے اپنے حالیہ بیان میں بھی تمام امت کو پکارا ہے۔

”مکمل تیاری کے ساتھ مسجد اقصیٰ کا دفاع اور اس پر پہرہ دینا وقت کی ضرورت ہے، اور یہ ذمہ داری صرف مقدسیوں (اہل قدس) کی نہیں بلکہ تمام عرب اور اسلامی ممالک بھی اس میں برابر کے ذمہ دار ہیں۔“

آئیں! ہم سب مل کر مسجد اقصیٰ کے علماء اور خطباء کی آواز پر اس دعا کے ساتھ لبیک کی صدائیں بلند کریں کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک خداداد پاکستان کے باشندے مسجد اقصیٰ کی صف اول کے محافظ ثابت ہوں۔

آمین ثم آمین۔

بالآخر چور پکڑا گیا

نیر طیب

سردیوں کی یخ بستہ رات میں چاروں طرف خاموشی کسی بھیانک آسیب کی مانند لگ رہی تھی۔

خالی گھر میں وہ اکیلا بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کرنے میں مگن تھا کہ یکایک ملحقہ کچن سے زوردار آواز آئی جیسے دو برتن آپس میں کھڑکے ہوں۔ وہ کام کرتے کرتے چونک گیا۔ دبے پاؤں کچن کی طرف آیا تو اندر کا منظر اس کے لئے حیران کرنے والا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

’’کیا تم واقعی گھر میں اکیلے رہ لو گے بیٹا؟‘‘ فرحان جو کافی دیر سے ایک کونے میں خاموش بیٹھا تھا۔ اسے امی جان نے پچکارتے ہوئے کہا۔

’’جی امی جان! میں رہ لوں گا‘‘ پہلے بھی تو رہا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔‘‘ فرحان نے مسکینی سی شکل بنا کر کہا۔

’’میں صدقے میرا مٹھا بیٹا! میں چھوڑ کر کبھی نہ جاتی بس اچانک یہ مسئلہ آن پڑا۔ تمہارے ابو اور میرا جانا بہت ضروری ہے اور گھر بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتے اور تمہارے پیپر بھی



تو سر پر ہیں۔ ورنہ تمہیں چھوڑ کر کبھی نہ جاتی۔“ فرحان کی امی نے پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

”جی بالکل امی جان! میں سمجھتا ہوں۔آپ فکر نہ کریں۔ میں خیال رکھوں گا۔اور پیپر کی تیاری کروں گا۔“فرحان نے کہا۔

اگرچہ وہ اداس تھا اور اندر سے کچھ ڈرا ہوا بھی مگر وہ امی ابو کو پریشان کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔

فرحان اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ بے حد لاڈلا مگر کس قدر سلجھا ہوا۔اسے پڑھنے لکھنے سے ہی فرصت نہ تھی۔اس کی ڈی این اے میں کھیل کود اور دوسری مشغولیات پائی ہی نہ جاتی تھی۔اس لئے نہ تو اس کا کوئی دوست تھا اور نہ ہی کوئی اس پڑھاکو کے قریب پھٹکتا تھا۔

ابو کاروباری شخصیت ہونے کی وجہ سے اکثر شہر سے باہر آتے جاتے رہتے تھے اسی لئے وہ زیادہ تر اپنی امی جان سے ہی مانوس تھا۔انہی کے ساتھ رہتا اور اب انہی کی وجہ سے اداس ہو رہا تھا۔مگر وہ جانتا تھا کہ امی ابو کا جانا بہت ضروری ہے اس لئے وہ اپنے چہرے کے تاثرات کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش میں لگا ہوا تھا۔

”اگر تم کہو تو میں چچی خدیجہ کو تمہارے ہاں رہنے کے لئے کہوں؟ بیٹا مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔“ اس کی امی دروازے کی طرف جاتے جاتے واپس لوٹ آئیں۔

”امی کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔میں بالکل گھبرا نہیں رہا۔آپ کسی کو نہ بھیجیں۔ میں اکیلا پڑھائی پر توجہ دینا چاہتا ہوں۔“فرحان نے مضبوط لہجے میں کہا۔

”بس کرو فرحان کی ماں !اب ہمارا بچہ بڑا ہو گیا ہے۔خیر سے بی ایس کر رہا ہے۔کیوں خوامخواہ پریشانی مول لے رہی ہو۔“ فرحان کے ابو نے جو کافی دیر سے گاڑی میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے اونچی آواز دیتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے بیٹا! فون آن رکھنا اور مجھ سے بات کرتے رہنا۔ باہر مت نکلنا بس گھر پر رہنا۔ ڈیلیوری بوائے صبح ، دوپہر شام کا کھانا گھر پر ہی دے جائے گا اور ہاں ساتھ والے میجر انکل کو بھی کہہ دیا ہے وہ بھی تمہارا خیال رکھیں گے۔“فرحان نے امی نے دروازے سے باہر جاتے جاتے درجنوں باتیں فرحان کو اونچی آواز میں کر لیں اور فرحان نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

دونوں گاڑی میں بیٹھے تو فرحان انہیں دروازے پر الوداع کرنے آیا اور ہاتھ ہلانے لگا۔

فرحان نے ابو کی طرف دیکھا جو شاید اسے کچھ کہہ رہے تھے مگر شیشہ بند تھا تو اس کے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

گاڑی کا شیشہ نیچے ہوا تو فرحان کے ابو گویا ہوئے:

”اور ہاں بیٹا! ہماری کالونی میں چوریاں بھی بہت ہو رہی ہیں۔کیمرے تو لگے ہوئے ہیں

مگر احتیاط کرنا۔ دروازے پر دستک ہو تو پہلے کیمرے کی سکرین پر دیکھ لینا۔'' یہ کہہ کر فرحان کے ابو نے شیشہ اوپر کرلیا اور گاڑی روانہ ہوگئی۔

فرحان کو یہ آخری بات کچھ پریشان کر گئی مگر اس نے کچھ نہ سمجھ آنے والے انداز میں کندھے اچکائے اور دروازہ لاک کر کے گھر کے اندر چلا گیا۔

❁......❁......❁

آج دوسرا دن تھا فرحان کے امی ابو آزاد کشمیر پہنچ گئے تھے۔ انہیں مزید تین دن وہاں قیام کرنا تھا اور پھر انہیں واپس آنا تھا۔

فرحان سارا دن اپنے کمرے میں بند رہتا اور صرف پڑھتا رہتا۔ دن کے وقت باہر کچھ نہ کچھ پھر بھی شور اٹھتا مگر رات میں بالکل خاموشی چھا جاتی۔ ہر طرف ہو کا عالم ہوتا۔ سردیوں کی راتیں ویسے بھی کچھ زیادہ ہی تاریک اور طویل ہوتی ہیں۔

فرحان نے محسوس کیا کہ رات کے کسی وقت کمروں اور کچن سے کچھ آوازیں آتی ہیں۔ پہلے پہل تو فرحان نے اسے اپنا وہم سمجھا مگر اگلی رات جب وہ بیٹھا پڑھنے میں مشغول تھا اور ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ اچانک کچن سے زوردار آواز آئی اور فرحان ایک دم چونک گیا۔

دبے پاؤں اس نے آواز کا تعاقب کیا اور کچن پہنچ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ گلاس اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے اور چمچ فرش پر بکھرے پڑے تھے اور کچن کی ایسی حالت تھی جیسے یہاں ابھی ابھی کوئی جنگ کر کے نکلا ہو۔

❁......❁......❁

فرحان ایک دم پریشان سا ہوگیا۔ بھاگ کر وہ اسٹور میں گیا اور وہاں سے ایک بڑا ڈنڈا پکڑا اور دوبارہ کچن میں آگیا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

دو کمرے ساتھ ہی بنے ہوئے تھے وہاں اس نے دیکھا مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ ایک دم اسے خیال آیا اور اس نے ابو کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔ اور سی ٹی وی فوٹیج کو پیچھے کر دیکھنے لگا۔ سامنے اسکرین پر باہر کا منظر بالکل صاف تھا۔ اکا دکا کوئی گاڑی گیٹ کے قریب سے گزرتی اور گزرتی چلی جاتی۔

کوئی شخص اندر آیا نہ گیا۔ پچھلے تین گھنٹوں کی ریکارڈنگ اس کے فاسٹ فارورڈ میں دیکھ لیں مگر اسے کچھ نہ ملا۔ ڈنڈا ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوگئیں کہ یا اللہ! یہ ماجرا کیا ہے؟

آخر کون ہے؟ کیا ہے؟ اور رات میں ہی کیوں آوازیں آتی ہیں۔

کیا کوئی جن یا بھوت؟

اوہ! نہیں نہیں! ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ سب جھوٹ ہوتا ہے۔ اس نے خود کلامی کی۔

پھر آخر کیا؟ کیا کوئی جانور؟

مگر گھر تو ہر طرف سے بند ہے تو پھر کسی جانور کی آمد بھی ممکن نہیں۔ آج تک ایسا نہیں ہوا؟

پھر!!

کون ہوسکتا ہے آخر!!

کیا کوئی چور؟ مگر کچن میں کیا کرنے آتا ہے؟ کیا اسے کچھ کھانے کا چاہیے؟ سوچتے سوچتے اس کی سانسیں تیز چلنے لگیں۔ وہ بھاگ کر اندر گیا اور ون فائیو یعنی پولیس ایمرجنسی پر کال کے لئے بٹن پریس کرنے ہی لگا کہ رک گیا۔

شاید میرا وہم ہو۔ ہوا کے کسی جھونکے سے بھی تو برتن گر سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو میرا مذاق بن جائے۔ اس نے موبائل کی اسکرین آف کر دی اور ایک گہری سانس لی۔ وہ پڑھ چکا تھا۔ اس لئے کہ اب مزید پڑھ بھی نہ سکتا چنانچہ وہ بیڈ پر لیٹا اور کچھ ہی دیر بعد اسے نیند آچکی تھی۔

❁……❁……❁

اگلا دن حسب معمول وہ اٹھا۔ آج دن میں کچھ دھوپ نکلی ہوئی تھی چنانچہ ناشتہ کر کے وہ صحن میں بیٹھ گیا۔ چھن چھن کر آتی دھوپ اس کے بدن کو سکون دے رہی تھی۔ وہ وہیں بیٹھا رہا۔ رات والا واقعہ اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ سارا دن وہ پرسکون رہا۔

رات ہوئی اور وہ رات کا کھانے کے بعد جب پڑھنے بیٹھا تو پھر اسے آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے کوئی چل رہا ہو۔ وہ بھاگ کر کمروں میں گیا وہاں کوئی نہ ملا، اس کے بعد وہ کچن میں آیا تو وہاں پلاسٹک کا ایک ڈسپوزیبل گلاس جو اس کے باہر کے کھانے کے ساتھ آیا تھا نیچے فرش پر الٹا پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ خوف اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات اس کے چہرے پر عیاں ہوئے۔

یہ کون ہوسکتا ہے؟ یہ سوچتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا۔ اس نے تین سے چار ڈسپوزیبل گلاس اکھٹے کئے اور انہیں کچن کی شیلف پر اس انداز میں کھڑا کیا کہ کوئی معمولی سا بھی دھکا ملے تو وہ گر جائیں۔

اور ان گلاس میں اس نے اسٹیل کے چمچ رکھ دیئے۔ تاکہ گلاس کے گرنے سے چمچ بھی گریں اور اسے آواز پہنچ جائے۔

پھر وہ بھاگ کر اندر گیا۔ اپنا موبائل اٹھایا اور اس کا ویڈیو ریکارڈر آن کر کے اس نے کچن میں ایسی جگہ موبائل رکھ دیا جہاں سے وہ ڈسپوزیبل گلاس اسے واضح نظر آجائیں۔

موبائل میں ویڈیو کے ایک گھنٹے تک کی ریکارڈنگ کا ٹائم سیٹ کر وہ واپس اپنے کمرے میں آگیا اور کمرے کا دروازہ مضبوطی سے بند کر لیا تاکہ وہ کسی ناگہانی آفت سے محفوظ رہ سکے۔

ابھی ایک گھنٹہ نہ گزرا تھا کہ اچانک ایک زور دار آواز سنائی دی۔ برتن شاید گر چکے تھے۔ فرحان اس بار تو زیادہ ہی ڈر گیا تھا۔ اس کو جن



بھوتوں کی کہانیاں اب سچ لگنے لگی تھی۔ وہ اٹھا، ڈنڈا ہاتھ میں پکڑا اور کانپتی ٹانگوں سے کچن کی طرف آیا۔ ڈرتے ڈرتے کچن میں جھانکا تو حیرت کا زوردار جھٹکا لگا۔

سارے کپ اور چمچے نیچے فرش پر گرے ہوئے تھے مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے بھاگ کر موبائل اٹھایا جو ابھی تک ریکارڈنگ موڈ میں تھا۔

کچن کا دروازہ بند کیا اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لوٹا اور دروازہ بند کر دیا۔ ریکارڈنگ آف کر دی تھی۔ ویڈیو محفوظ ہو چکی تھی۔ پہلے پہل اس نے اپنا سانس بحال کیا اور پھر بیڈ پر بیٹھ کر اس نے ویڈیو آن کر دی۔

ویڈیو میں کچن کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ گلاس جوں کے توں پڑے تھے جیسا کہ اس نے رکھے تھے۔ تیس منٹ وہ دم سادھے ویڈیو دیکھتا رہا۔ مگر کچھ نہ ہوا۔

اکتالیسویں منٹ پر اچانک اس نے دیکھا کہ ایک انتہائی موٹا بھدا سا چوہا جس کی جسامت کسی بلی کے مانند تھی شیلف پر چھلانگ لگا کر پہنچ چکا تھا اور بعد کے برتنوں کی تباہی اس نے کی تھی۔

بالآخر چور پکڑا ہی گیا تھا۔ فرحان نے ویڈیو آف کر دی۔ اس کی جان میں جان آئی کہ وہ نکما چوہا تھا جس نے تین راتوں سے اس کی جان عذاب میں ڈالی ہوئی تھی۔

صبح ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے گھر میں پڑی ”گم شیٹ“، جس پر چوہا آ کر چپک جاتا ہے وہ دو جگہ بچھا دی اور ٹھیک تین گھنٹوں بعد وہ چوہا اس شیٹ پر چپک چکا تھا۔ جسے فرحان نے اٹھا کر باہر کی راہ دکھا دی۔

موسم سرما کی یخ بستہ راتوں میں جب آپ گھر پر اکیلے بیٹھے ہوں اور کوئی آواز خاموشی کا پردہ چاک کرتے ہوئے آجائے تو گھبرائیں نہیں یہ وہ مخلوق ہے جسے کوئی نہیں روک سکتا نہ سردی نہ گرمی اسے صرف اور صرف چاہیے ہوتی ہے گہری خاموشی اور سناٹا۔

یہ تب اپنے بلوں سے کھانے کی مہک سونگھتے ہوئے نکلتے ہیں اور پھر ان کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ اس لئے گھبرائیں نہیں بس ان کی سمجھوتہ کرلیں اور اگر پکڑ سکتے ہیں تو پکڑ کر گھر بدر کر دیں۔ یہ بڑے چالاک ہوتے ہیں اگلے ہی لمحے کسی اور گھر کو اپنے نشانے پر رکھ لیتے ہیں۔

رازِ سربستہ

ابوشفاء



ایجادات کی دنیا

جب سے بنی نوع انسان کی شروعات ہوئی ہے وہ نت نئی چیزیں بنانے اور ان کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ ان سب ایجادات میں سائنس کا بہت اہم کردار ہے۔ اور سائنس کی ان ایجادات میں سب سے اہم کردار مسلمان سائنسدانوں کا ہے۔ اگرچہ ابھی تک بہت سی مسلمانوں کی ایجادات ایسی ہیں جو نظروں سے دور ہیں۔ حالانکہ دنیا کی مفید اور ضروری ایجادات مسلمانوں اور عربوں کی مرہون منت ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب دنیا میں جدید یورپ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ان میں سے بعض کی تو جدید سائنس نقل بھی نہ کر سکی اور بعض کو نقل کر کے ایجاد کا سہرا اپنے سر سجایا۔

یورپ والوں نے عظیم مسلمان سائنسدانوں جن میں قابل ذکر جابر بن حیان کو گیبر، ابن رشد کو اویرو، ابن سینا کو ایوونا اور ابن الہیثم کو الہیزن کہنا شروع کر دیا تاکہ ان عظیم انسانوں کا مسلمان اور عرب ہونا ثابت نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہمارا سائنس کا طالب علم خالد بن یزید، زکریا، رازی، ابن سینا، الخوارزمی، ابو ریحان البیرونی، الفارابی، ابن مسکویہ، ابن رشد، کندی، ابو محمد خوجدی، جابر بن حیان، موسیٰ بن شاکر، البتانی، ابن الہیثم، عمر خیام، المسعودی، ابو الوفاء اور الزہراوی جیسے عظیم سائنسدانوں کے حالات زندگی اور سائنسی کارناموں سے یکسر ناواقف ہے۔ بلکہ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ ان کا نام سن کر ہمارے طلباء حیرانی سی محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی



ہے کہ سائنس کی ترقی میں زیادہ ہاتھ یورپ کا ہی ہے۔

مسلمانوں نے سائنسی خدمات اور انسانی خدمات کی وجہ سے بہت نام بنایا ہے۔ ان کی ایجادات نے دنیا کا رہن سہن ہی بدل دیا۔ اور دنیا کو ایک نئی سمت کی جانب گامزن کر دیا۔ اس بات کا اقرار مغربی دنیا آج بھی کرتی ہے۔

آج میں آپ کو مسلمان سائنسدانوں کے عظیم کارناموں اور اہم ایجادات کے بارے میں بتاؤں گا جن کی بدولت آج دنیا میں بہت سے کام سرانجام دیے جا رہے ہیں۔ ان ایجادات کے بغیر آج کے دور میں زندگی گزارنے کا تصور کرنا بھی تقریباً ناممکن تھا۔

1۔ ہسپتال

دنیا کا پہلا ہسپتال بنانے کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر جاتا ہے۔ یہ ہسپتال 872ء میں مصر کے شہر قاہرہ میں احمد بن طالون کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ اس میں طبیب اور نرسیں مریضوں کے علاج کے لیے موجود ہوتی تھیں۔ اور ساتھ ہی طالبعلموں کی ٹریننگ کے لیے ایک سینٹر بھی قائم تھا۔ یہاں پر مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے ہسپتالوں سے ملحقہ میڈیکل یونیورسٹیاں بنانے کا آئیڈیا مسلمان سائنسدانوں کے ہی مرہون منت ہے۔

2۔ یونیورسٹیاں

ڈگری دینے والی دنیا کی سب سے پہلی یونیورسٹی بنانے کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر ہے۔ 859ء میں مراکش میں دنیا کی پہلی یونیورسٹی القراویون نے پہلی ڈگری دی تھی۔ یہ یونیورسٹی شہزادی فاطمہ الفرہی نے قائم کی تھی اور آج بھی یہاں تدریس کا عمل جاری ہے۔

3۔ سرجری

مسلم سائنسدان الزہراوی کے بارے میں یہ مانا جاتا ہے کہ وہ جدید سرجری کا بانی ہے۔ انہوں نے ہی سرجری کے آلات ایجاد کیے اور آپریشن کو ممکن بنایا۔ ان کی بدولت ہی موجودہ دور میں سرجری ممکن ہوئی۔

سرجری میں آج جو بھی آلات استعمال کیے جاتے ہیں سب ان کی مرہون منت ہیں۔انہوں نے اس سلسلے میں جو کتب لکھیں وہ آج تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جارہی ہیں۔

4۔الجبرا

محمد بن موسیٰ الخوارزمی وہ پہلے سائنسدان ہیں جنہوں نے حساب اور الجبرا میں فرق کیا اور الجبرا کو باقاعدہ ریاضی کی صنف کے طور پر روشناس کرایا۔ یورپ پہلی بار حساب کے اس نئے سسٹم سے بارھویں صدی میں روشناس ہوا۔

الخوارزمی کو متفقہ طور پر دنیا بھر میں الجبرا کا بانی مانا جاتا ہے اور لفظ الگوریتھم بھی ان کے نام سے ہی کشید کیا گیا ہے۔

5۔جغرافیہ

مسلمان اس فن کے موجد ہیں۔البیرونی اس فن کا امام ہے ۔البیرونی دنیا کے عظیم ترین سائنسدانوں میں سے ایک تھا۔مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس عظیم مسلمان سائنسدان نے پاکستان کے سالٹ رینج علاقے میں واقع تاریخی قلعہ نندنا میں رہتے ہوئے زمین کا قطر معلوم کیا تھا۔یہ بات کافی دلچسپ ہے کہ البیرونی نے زمین کے قطر کے حوالے سے قرون وسطیٰ کی سائنس کی تکنیکی طریقہ کا استعمال کرتے ہوئے جو حسابات لگائے تھے ان میں جدید دور کے اعداد وشمار سے بہت کم فرق تھا۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ زمین کا قطر البیرونی کی بے شمار سائنسی خدمات اور دریافتوں میں سے ایک ہے۔نندنا قلعہ ضلع جہلم کے پنڈدادن خان میں واقع ہے۔

یہ تاریخی قلعہ کھیوڑہ نمک کی کانوں سے 6 کلومیٹر،ایم ٹو موٹروے کے مشرق کی جانب 24 کلومیٹر اور جہلم شہر سے 85 کلومیٹر فاصلے پر موجود ہے۔

6۔آلات جراحت

جدید عہد کے متعدد سرجیکل آلات کی بنیاد دسویں صدی کے مسلم سرجن ابو القاسم الزہراوی نے رکھی،ان کے نشتر، قینچیاں اور دیگر دوسو آلات کی اہمیت کو



آج کے عہد کے سرجن بھی مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے زخموں کو ٹانکے لگانے والا ایسا دھاگا بھی تیار کیا جو قدرتی طور پر جسم سے الگ ہو جاتا تھا جبکہ انہوں نے کیپسول بھی ایجاد کیا۔ ان کی سب سے بڑی تصنیف التصریف لمن عجز عن التالیف کے نام سے مشہور ہے اور اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

الزہراوی ایک ماہر جراح ہی نہیں تجربہ کار طبیب بھی تھے۔ ان کی کتاب میں آنکھوں کے امراض، کان، حلق، دانت، مسوڑھے، تولید اور ہڈیوں سے متعلق معلومات موجود ہیں۔ زہراوی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے طبیب تھے جنھوں نے ہیموفیلیا نہ صرف دریافت کیا بلکہ اس پر تفصیل سے بات بھی کی ہے۔

زہراوی کو بالخصوص یورپ میں بہت شہرت حاصل ہوئی اور ان کی کتب کا بہت سی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا جن سے دنیا بھر میں جراحت سے وابستہ افراد استفادہ کرتے ہیں۔ ان کے ایجاد کردہ آلات جراحی جدید شکلوں میں آج بھی استعمال ہوتے ہیں۔

قرطبہ میں جس گلی میں الزہراوی رہتے تھے، آج وہ انہی سے موسوم ہے اور اس پر تختی پر لکھا ہے: یہ وہ گھر ہے جہاں الزہراوی رہتا تھا۔

اسی طرح تیرہویں صدی میں ایک اور مسلم طبی ماہر ابن نفیس نے دوران خون کی وضاحت کی جبکہ مسلم ڈاکٹروں نے افیون اور الکحل کے امتزاج سے ایسی سوئیاں تیار کیں جس سے کسی کو بھی بے ہوش کیا جا سکتا تھا اور یہ تکنیک اب بھی استعمال ہو رہی ہے۔

7۔ گھڑی

یورپ سے سات سو قبل بھی اسلامی دنیا میں گھڑیاں عام استعمال ہوتی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے ہم عصر فرانس کے شہنشاہ شارلیمان کو گھڑی (واٹر کلاک) تحفہ میں بھیجی تھی۔ محمد ابن علی خراسانی (لقب الساعتی 1185ء) دیوار گھڑی بنانے کا ماہر تھا۔ اس نے دمشق کے باب جبرون میں ایک گھڑی بنائی تھی۔ اسلامی سپین کے انجنیئر المرادی نے ایک واٹر کلاک بنائی جس میں گیئر اور بیلنسنگ کے لئے پارے کو استعمال کیا گیا تھا۔ مصر کے ابن یونس نے گھڑی کی ساخت پر رسالہ لکھا جس میں ملٹی پل گیئر ٹرین کی وضاحت ڈایا گرام سے کی گئی تھی۔ جرمنی میں گھڑیاں 1525ء اور برطانیہ میں 1580ء میں بننا شروع ہوئی تھیں۔

8۔ علم فلکیات و ارضیات

776ء میں ابراہیم بن جندب نے سب سے پہلے عجائب الفلک کے مشاہدے کے لیے دوربین ایجاد کی تھی۔ دنیا کا پہلا ماہر فلکیات احمد بن سجستانی تھا جس نے گردش زمین کا نظریہ پیش کیا تھا۔ احمد کثیر الفرغانی نے اپنے طریقہ سے زمین کے محیط کی پیمائش معلوم کی جو مسلمہ محیط سے بہت

قریب ہے۔

ابن یونس صوفی نے اپنی کتاب "الشفائی" میں حرکت کا قانون بیان کیا ہے اس قانون کو یورپ نے بوعلی سینا کے پانچ سال بعد نیوٹن کی ایجاد کے طور پر ساری دنیا میں مشہور کرادیا۔

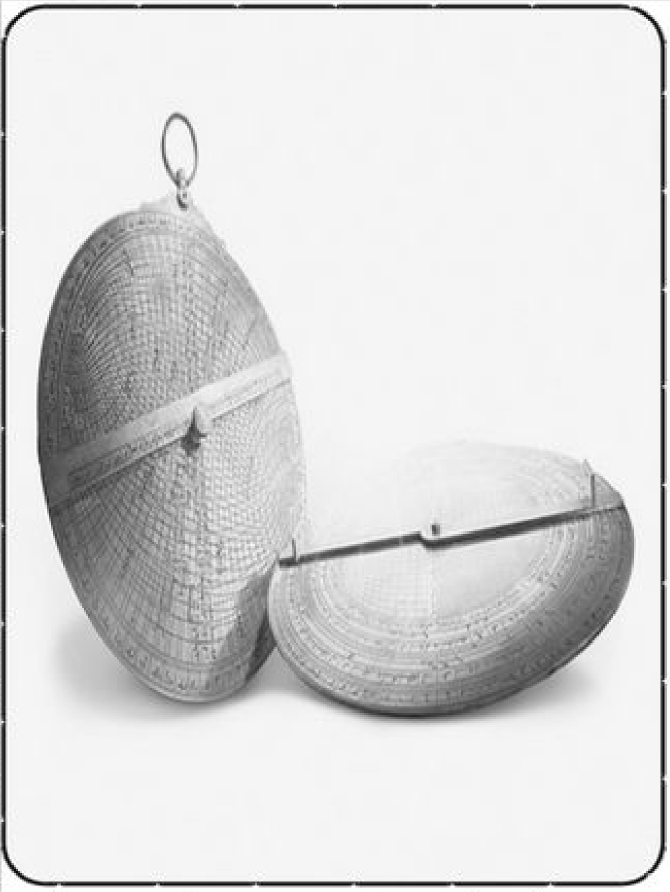
9۔ ماہر امراض چشم

ابن الہیثم دنیا کا پہلا انسان تھا جس نے کہا کہ روشنی آنکھ میں داخل ہوتی ہے۔ اس نے آنکھ کی ساخت پر بہت تفصیل سے لکھا اور دنیا کو آنکھ کے امراض سے متعارف کروایا۔ اگر انہوں نے یہ نہ بتایا ہوتا کہ کس طرح روشنی سفر کرتی ہے اور اسے کس طرح شبیہہ کی صورت میں محفوظ بنایا جا سکتا ہے تو آج بھی پن ہول کیمرہ اور آلات چشم سے لا علم ہوتے۔

10۔ کیمیا گری

تاریخ کا سب سے پہلا کیمیا دان اور عظیم مسلمان سائنسدان جابر بن حیان جس کے سائنسی نظریات نے دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ دنیا آج تک اسے بابائے کیمیا کے نام سے جانتی ہے۔ جابر بن حیان کو کیمیا کا بانی کہا جاتا ہے۔ وہ کیمیا کے تمام عملی تجربات سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اس پر مکمل عبور بھی رکھتے تھے۔

جابر بن حیان "قرع النبیق" نامی ایک آلہ کے بھی موجد تھے جس کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ



میں کیمیائی مادوں کو پکایا جاتا اور مرکب سے اٹھنے والے بخارات کے ذریعہ آلہ کے دوسرے حصہ میں پہنچا کر ٹھنڈا کر لیا جاتا تھا۔ یوں وہ بخارات دوبارہ مائع حالت اختیار کر لیتے، کشیدگی کا یہ عمل کرنے کے لئے آج بھی اس قسم کا آلہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا موجودہ نام "ریٹاٹ" ہے۔ جابر نے کیمیا کی اپنی کتابوں میں بہت سی اشیاء بنانے کے طریقے درج کئے۔ انہوں نے کئی اشیاء کے سلفائڈ بنانے کے بھی طریقے بتائے۔ انہوں نے شورے اور گندھک کے تیزاب جیسی چیز دنیا میں سب سے پہلی بار ایجاد کی۔ جو کہ موجودہ دور میں بھی نہایت اہمیت کی حامل اور سنسنی خیز ہے۔

ضرب المثل پہ مِنی سو لفظی کہانی
محمد مستقیم



آگ لگے تو بجھے جَل سے،
جَل میں لگے تو بجھے کیسے؟

(آگ پانی سے بجھ جاتی ہے لیکن پانی میں لگی آگ کیسے بجھائی جائے)

اسلم صاحب گھر لوٹے تو کافی پریشان تھے۔

''نعمان کے کالج جانا تھا آج، گئے تھے آپ؟'' بیوی نے پوچھا۔

''وہیں سے تو آرہا ہوں۔ تمام اساتذہ کو ہمارے بیٹے سے شکایات ہیں، شکایت نہیں شکایات!'' اسلم صاحب سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

''یا اللہ خیر!'' بیوی کے منہ سے نکلا۔

''نیک بخت دعا کرو! وہ اب جوان ہے، اسے کیسے سمجھائیں؟
کافی محنت کرنی ہوگی اب، دانا کہہ گئے ہیں کہ
''آگ لگے تو بجھے جل سے، جل میں لگے تو بجھے کیسے؟''
چھوٹے بچے کی اصلاح تو جلد ہو جاتی ہے۔
لیکن اگر جوانی میں بری عادت پیدا ہو جائے تو وہ مشکل سے جاتی ہے۔



مُسلمانو! ہوشیار

حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو ’’حُبِّ دنیا‘‘ اور حرص سے بچائے...... ہم میں سے ہر ایک اپنے دل میں جھانک کر دیکھے کہ میرے دل میں حرص اور لالچ ہے یا نہیں؟...... اپنی جسمانی بیماریاں بھی تو ڈاکٹروں سے ٹیسٹ کراتے ہیں...... شوگر ہے یا نہیں، بلڈ پریشر کتنا ہے؟...... اگر ہم اپنے دل میں دنیا کی محبت اور اس کا حرص لیکر قبر میں چلے گئے تو معاملہ خطرناک ہو جائے گا...... یا اللہ رحم فرما...... آج چاروں طرف درد ناک مناظر ہیں...... اولاد، اپنے ماں باپ کے مرنے کا انتظار کر رہی ہے...... وہ مریں گے تو مکان اور جائداد پر میرا قبضہ ہو گا...... انا للہ وانا الیہ راجعون...

دنیا میں ماں باپ جیسی کوئی نعمت ہے؟...... ماں باپ کی دعائیں اور اُن کا سایہ ہزاروں مکانوں اور جائدادوں سے زیادہ قیمتی ہے...... مگر لالچ اور حرص تو انسان کو بھیڑیا بنا دیتی ہے...... قرآن پاک حکم فرماتا ہے کہ بوڑھے ماں باپ کے لئے رحمت کی دعاء کرو...... اُن کو جھڑکی نہ دو...... انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ...... اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو...... مگر حرص اور لالچ یہاں تک پہنچا دیتی ہے کہ...... بیٹے اپنے ماں

باپ کے مرنے کے لئے دن گنتے ہیں...... اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہم یہ بُری نیت اور سوچ دل میں اٹھائے اپنے ماں باپ سے پہلے بھی مر سکتے ہیں...... بیوی کا رشتہ کتنا عجیب پیار اور محبت والا رشتہ ہے...... مگر مال کی لالچ اور حرص میں کئی لوگ باہر ملک بھاگ جاتے ہیں...... بے چاری وفادار بیویاں ہر دن راہ دیکھتی وقت کاٹتی ہیں کہ ایک دن اچانک طلاق کا پیغام آجاتا ہے...... نقلی دوائیاں، جھوٹی قسمیں اور دھوکے بازی...... اور تو اور...... مال کی خاطر کیسے کیسے قیمتی انسانوں کو قتل کر دیا جاتا ہے......

آہ انسان، اشرف المخلوقات...... سورج اور چاند سے افضل مگر ایک موبائل فون اور ایک موٹر سائیکل کی خاطر اُسے گولی مار کر قتل کر دیا جاتا ہے...... لوگوں نے بس ایک بات ذہن میں بٹھا لی ہے کہ جناب اس زمانے میں مال کے بغیر کہاں گزارہ ہو سکتا ہے؟...... اس لئے اب "دنیا کی محبت" کے خلاف کوئی بات ہی نہ کرو...... اللہ کے بندو! مال کی ضرورت اور چیز ہے اور مال کی محبت اور چیز ہے...... اسلام حلال مال سے نہیں روکتا، بلکہ مال کی حرص اور محبت سے روکتا ہے...... اسلام دنیا سے نہیں روکتا بلکہ دنیا کی محبت سے روکتا ہے...... امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ...... علماء کرام نے "حبّ دنیا" کے خلاف بولنا چھوڑ دیا، صرف اس ڈر سے کہ لوگ کیا سوچیں گے کہ...... خود تو مال کماتے ہیں اور ہمیں روکتے ہیں...... حالانکہ اگر علماء اور دیندار لوگ "حبّ دنیا" کے خلاف بولنا چھوڑ دیں گے تو بہت بڑا فساد اور تباہی پھیل جائے گی...... جی ہاں وہی تباہی جو آج ہم اپنے اردگرد دیکھ رہے ہیں......

مال کا حرص، عزت کا حرص...... اور شہوت کا حرص...... ان تین چکیوں میں مسلمان بُری طرح پس رہے ہیں...... اور کفار ہر طرف غالب آتے جا رہے ہیں...... حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا......:

"حرص سے بچو، کیونکہ یہ حرص (اور بخل) تم سے پہلے والوں کو ہلاک و برباد کر چکا ہے اسی نے اُن کو قتل و غارت اور محارم کو حلال کرنے پر ابھارا" (صحیح مسلم)

ہم سب کو اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ...... ہمارے دلوں میں دنیا کی محبت، اور دنیا کا حرص پیدا نہ ہو...... کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو انسان کے دین کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے...... حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا......

"وہ دو بھوکے بھیڑیئے، جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں، اُن بکریوں کے لئے اتنے نقصان دہ نہیں ہیں، جتنا کہ مال اور عزت کا حرص انسان کے دین کو تباہ کرنے

والا ہے......"(جامع ترمذی)

ہماری خوش قسمتی ہے کہ...... ہم نے اس دور میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو"حُبِّ دنیا" سے سو فیصد پاک صاف ہیں...... جی ہاں یہ فدائی مجاہدین ہیں...... اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھنے والے......غیب پر ایمان رکھنے والے...... ایک فدائی مجاہد کہہ رہا تھا کہ...... میں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا مگر مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے...... میں نے رسول کریم ﷺ کو نہیں دیکھا مگر مجھے یقین ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نبی برحق ہیں...... میں نے جنت کو نہیں دیکھا مگر مجھے یقین ہے کہ جنت برحق ہے...... میں نے اُن انعامات کو جو شہداء کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا...... مگر مجھے یقین ہے کہ شہید کے ساتھ کئے گئے تمام وعدے سچے ہیں...... اس لئے میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کو بیچنے جا رہا ہوں...... سبحان اللہ، سبحان اللہ...... کیا شان والا ایمان ہے...... ہم اس طرح کے سچے اولیاء کو دیکھ کر اپنے دل کے مرض...... یعنی"حبّ دنیا" اور"حرص" کا علاج کر سکتے ہیں...... اور ہم یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ...... اس زمانے میں بھی دنیا کی محبت سے بچنا ممکن ہے......

ہمارے سید اور محبوب حضرت آقا مدنی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

جو شخص دنیا کو اپنا محبوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا پس تم لوگ فنا ہو جانے والی (دنیا) کے مقابلے میں باقی رہنے والی (آخرت) کو ترجیح دو......(مسند احمد)

مال کمانے سے کوئی نہیں روکتا......آپ روز کروڑوں کمائیں...... مگر اس مال سے محبت نہ کریں کہ...... اسے خرچ کرنا ہی آپ کے لئے مشکل ہو جائے......اور یہ آپ کے پاؤں کی زنجیر بن جائے کہ اسے چھوڑ کر جہاد اور دین کے کسی کام پر ہی نہ نکل سکیں ...... اور ہر وقت اس مال کو بڑھانے کی فکر میں لگے رہیں...... تھوڑا سا غور کریں...... حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا...... مفہوم یہ ہے کہ...... جب مسلمان دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جائیں گے...... اور موت سے نفرت کرنے لگیں گے تو دنیا بھر کی کافر قومیں اُن پر حملہ آور ہو جائیں گی...... مگر مسلمان کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود سمندر کی جھاگ اور میل وکچیل کی طرح کمزور...... اور بے قدر و قیمت ہوں گے...... یہ روایت آپ نے بارہا سنی ہو گی...... معلوم ہوا کہ...... جہاد اور ترقی سے روکنے والی چیز"دنیا کی محبت" ہے اور ترقی اور کامیابی کا راستہ......موت اور شہادت کی محبت ہے...... اب ہم اس معیار پر اپنے آپ کو دیکھ لیں...... ہمارے ہاں تو اب اس

”ملعون“ دنیا کی محبت کو ”دین“ بنا کر پیش کیا جاتا ہے...... خوب پیسہ کماؤ، تا کہ ”بزنس“ میں کفار کا مقابلہ کرسکو......انا للہ و انا الیہ راجعون . . .

مسلمانوں کو اگر عزت، کامیابی...... اور ترقی کے راستے پر لانا ہے تو اُن کو جہاد پر کھڑا کرنا ہو گا...... اور جہاد کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ”دنیا کی محبت“ ہے...... مال کا حرص جس نے انسانوں کو خونی درندے اور جانور بنا دیا ہے......عزت کا حرص جس نے ہر طرف فساد ہی فساد برپا کر دیا ہے......اور شہوت کا حرص جس نے ہمارے ماحول کو پلید اور ناپاک کر دیا ہے......

اپنی بیوی دو باتیں زیادہ کر دے تو سر میں درد ہونے لگے اور غیر عورتوں سے گھنٹوں تک لمبی لمبی باتیں...... آہ مسلمان تجھے کیا ہو گیا ہے...... موبائل ٹاکنگ، کمپیوٹر چیٹنگ ...... اور کہیں دین کی دعوت کے نام پر غیر مردوں اور عورتوں کی ہلاکت خیز گپ بازیاں...... یہ حرص نہیں تو اور کیا ہے کہ...... بیوی کو اپنے خاوند کے علاوہ ہر مرد...... اور خاوند کو اپنی بیوی کے علاوہ ہر عورت پسند ہے...... بے حیائی کے حرص نے طرح طرح کی شکلیں اختیار کر لی ہیں...... اسی طرح کھانے پینے کا حرص......طرح طرح کے کھانے، بڑے بڑے ہوٹل...... اور قیمتی مال اور وقت کا ضیاع...... دنیا میں شائد کوئی ایسا فینسی ہوٹل ہو جہاں تازہ کھانا ملتا ہو ...... ان ہوٹلوں میں ہفتے بھر کا کھانا پکا کر فریز کر لیتے ہیں......اور پھر مائکروویو یا اس طرح کی دوسری چیزوں میں گرم کر کے پیش کرتے ہیں...... بڑے بڑے قیمتی لوگ یہ باسی کھانا کھانے کے لئے گھنٹوں تک میزوں کے سامنے بیٹھے اپنا وقت اور اپنی عزت برباد کرتے رہتے ہیں...... اچھا کھانے کا شوق زیادہ بُری بات نہیں...... مگر اس کا حرص ذلت ناک ہے...... نماز میں کھانے کی سوچ، ہر وقت جہاں سے بھی ملے اچھا کھانا کھانے کی فکر...... پھر اگر اچھا کھانا بچ جائے تو...... اُسے سنبھالنے کی فکر کہ کوئی اور نہ کھالے...... اور اگر کوئی کھالے تو دل پر ایسا غم جیسے مشرف کی وردی اُتر گئی ہو...... مسلمان تو سخی ہوتا ہے...... اپنا حصہ بھی دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتا ہے...... یہ کیا کہ...... زائد کھانا بھی اگلے وقت بچانے کی فکر...... خلاصہ یہ کہ...... دنیا کی محبت اور اس کا حرص انسان کو ہر برائی میں ڈالتا ہے...... اور ہر سعادت سے محروم کرتا ہے...... اور اگر اس موذی بیماری کا علاج نہ کیا جائے تو یہ عمر اور وقت کے ساتھ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے...... اور بالآخر عذاب اور سانپ بن کر قبر میں بھی ساتھ داخل ہو جاتی ہے...... رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو خصلتیں جوان اور طاقت ور ہوتی رہتی ہیں ایک مال کا

حرص اور دوسری لمبی عمر کا حرص (بخاری و مسلم)

اے میرے بھائیو! اور بہنو!...... ہم سب غور کریں کہ ہمارے اندر دنیا کی محبت اور حرص ہے یا نہیں؟...... دوسرا کام یہ کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ دنیا کی محبت ایک خطرناک بیماری ہے جو ہمیں بہت سخت نقصان پہنچا سکتی ہے...... اور تیسرا کام یہ کہ ہم اپنے اندر سے اس بیماری کو ختم کرنے کی کوشش کریں...... یاد رکھیں کہ اس زمانے میں کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میرے اندر یہ بیماری نہیں ہے...... محاذوں پر فدائی حملوں کے لئے جانے والے مجاہدین کے علاوہ شائد ہی کوئی مسلمان ''حبّ دنیا'' کی بیماری سے محفوظ ہو...... کسی پر مال کا حرص ہے، کسی پر عہدے اور عزت کا حرص ہے، کسی پر کھانے پہننے کا حرص ہے، کسی پر شہوت کا حرص ہے...... یہ تمام چیزیں ''حبّ دنیا'' کہلاتی ہیں...... اور ہر مسلمان پر ''حُبّ دنیا'' کی کسی نہ کسی قسم کا حملہ ضرور ہوتا ہے...... پھر جو خوش قسمت مسلمان ہوتے ہیں وہ اس حملے کا مقابلہ کرتے ہیں اور ''حبّ دنیا'' کے جراثیم کو اپنے دل میں نہیں اُترنے دیتے...... ایسے لوگ مبارک باد کے مستحق ہیں...... اور ان کے لئے قرآن وسنت میں بڑے بڑے انعامات کا وعدہ ہے...... ہم سب کوشش کریں کہ...... ہم بھی اسی طبقے میں سے بن جائیں...... حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کئی حضرات کروڑوں پتی تھے...... بلکہ آج کل کی پاکستانی کرنسی کے حساب سے تو ارب پتی تھے...... مگر ان میں مال کا حرص نہیں تھا...... زیادہ سے زیادہ خرچ کر کے بھی انہیں ذرہ برابر تکلیف نہیں ہوتی تھی...... حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کئی ایک نے بڑے بڑے عہدے پائے...... ملکوں کے گورنر اور حکمران بنے...... مگر ان میں عہدے اور عزت کا حرص نہیں تھا...... حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کئی نے زیادہ شادیاں فرمائیں...... مگر ان میں شہوت کا حرص نہیں تھا...... حضرات صحابہ کرامؓ کو اللہ پاک نے طرح طرح کی نعمتیں کھلائیں اور پلائیں...... مگر ان میں کھانے، پینے کا حرص نہیں تھا...... معلوم ہوا کہ...... دنیا کا ملنا، برا نہیں، دنیا کا حرص بُرا ہے...... اور حرص کی علامات بالکل واضح ہیں...... اور ہر آدمی اپنے اندر جھانک کر جائزہ لے سکتا ہے...... حقیقت یہ ہے کہ...... آج کل حرص اور لالچ کا مرض بہت عام ہو چکا ہے...... مجاہدین کو خاص طور پر فکر کرنی چاہئے کیونکہ شیطان کو یہ گُر معلوم ہے کہ...... جہاد سے روکنے کا مضبوط طریقہ ''حبّ دنیا'' میں مبتلا کرنا ہے...... وہ کہتا ہے آپ نے بہت جہاد کر لیا اب کچھ بناؤ، کماؤ، جمع کرو، آرام کرو...... اور لوگوں کو اپنے پُرانے قصے سنا کر اُن سے مال حاصل کرو...... اور اپنے پُرانے عہدے بتا بتا کر اپنی بڑائی جتلاتے پھرو...... وہ مجاہدین جو...... جہاد کی نعمت پر قائم رہنا چاہتے ہیں، انہیں

چاہیے کہ...... اپنے دفاتر ختم کر کے مسجدوں میں آئیں...... مسجدیں بنائیں اور انہیں آباد کریں...... نماز کا تکبیر اولیٰ سے اہتمام کریں...... تقویٰ اور ذکر اختیار کریں...... اور حبّ دنیا سے اپنے دل کو بچائیں...... تب انہیں انشاء اللہ جہاد میں برکت، کامیابی اور استقامت نصیب ہوگی......

حُبّ دنیا کا علاج

(۱) ''حُبّ دنیا'' کو خطرناک بیماری سمجھنا......

(۲) ''حُبّ دنیا'' سے حفاظت کی ہر رات دن فکر کرنا......

(۳) روزآنہ دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعاء میں اقرار کرنا کہ یا اللہ میں حبّ دنیا میں مبتلا ہو کر حریص اور لالچی ہوگیا ہوں اور آپ کی ملاقات کے شوق سے محروم ہوگیا ہوں...... یا اللہ مجھے حبّ دنیا سے بچا...... ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ حُبِّ الدُّنِیَا''

(۴) قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں ''حُبّ دنیا'' کی مذمت پڑھنا، اس کی تعلیم کرانا اور دوسروں کو بھی سنانا......

(۵) صبح و شام تین تین بار سورہ ''الھٰکم التکاثر'' توجہ سے پڑھ کر، حبّ دنیا سے حفاظت کی دعاء مانگنا اور کثرت سے یہ دعاء پڑھنا......

اَللّٰھُمَّ قِنِیۡ شُحَّ نَفۡسِی

(۶) موت کو کثرت سے یاد کرنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے زہد کے واقعات پڑھنا...... مجاہدین اور شہداء کے واقعات پڑھنا......

(۷) ''حُبّ دنیا'' میں سے جس چیز کا حرص زیادہ ہو، اُس کے حلال سے بھی تھوڑا بچنے کی کوشش کرتے رہنا......

(۸) اُن اولیاء کرام کی صحبت میں بیٹھنا جو ''حُبّ دنیا'' کے مرض سے بچے ہوئے ہوں......

اور ان سب علاجوں کا خلاصہ یہ کہ...... جہاد میں نکل کر جان و مال کی قربانی دینا...... اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے رہنا اور عاجزی کے ساتھ اس کینسر سے زیادہ موذی مرض سے حفاظت کی دعاء مانگنا......

یا اللہ مجھے اور سب پڑھنے والوں کو ''حُبّ دنیا'' کے مرض سے شِفاء اور نجات عطاء فرما......

آمین یا ارحم الراحمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا کثیرا

☆......☆......☆

بہروپیا



امامہ خالد

پاکستان کے صوبے سندھ میں واقع ایک پسماندہ علاقے میں موجود خستہ حال بستی... یہاں کے مکینوں کے دکھ درد ساجھے تھے... یہ بستی تھی غربت اور افلاس کے باوجود بھی، ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے کے خوشی اور غم میں شریک لوگوں کی، اس بستی کے مکیں چھوٹی بستی میں رہتے ہوئے بڑے دلوں کے مالک اور محبتوں سے گوندھے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

فجر کی نماز کے بعد جہاں تمام خواتین، وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ناشتے کی تیاریوں میں تھی تو وہی دوسری جانب بستی میں واقع ایک جگہ تھی، جسے مرد حضرات بیٹھک کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے، اس وقت بستی کے تمام مرد اس جگہ موجود تھے۔

"سرمد! تم سناؤ! اب تمہاری طرف خیر ہے نا؟" پر وقار سی شخصیت کے مالک اپنے ساتھ بیٹھے 30 سالہ سرمد سے مخاطب ہوئے۔

"جی ادا سائیں! اب خیر ہے، مالک کا کرم ہے۔ جب سے مولوی صاحب ہماری طرف آئے ہیں، اب تو چھوٹے بھی پابندی سے ان کی طرف پڑھنے جاتے ہیں" سرمد نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

"ہممم...! سائیں! تہہ دل سے آپکا شکر گزار ہوں، آپ سے پہلے کسی عالم دین نے یا کسی مولوی نے ہماری بستی کا رخ نہیں کیا، آپ کے آنے سے مانو تو بستی میں علم کی روشنی پھیل رہی ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب بستی کے کونے کونے سے اللہ اور نبی ﷺ کی باتیں سنائی دیں گی اور ان کا ذکر بلند ہوگا" اب کے وہی پر وقار شخصیت کے مالک اور گاؤں کے سرپنچ مولوی صاحب سے مخاطب ہوئے۔

"سرپنچ سائیں! اس طرح کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں، آپ کی بستی والوں کے ساتھ ساتھ میں بھی

محتاج ہوں۔ اگر آپ نہ ہوتے، بستی والے نہ ہوتے، تو شاید میں اس علم کا حق ادا نہ کرسکتا'' اس عاجزی کو دیکھ کر بستی والے از سرنو مولوی صاحب سے متاثر ہوئے۔

مولوی صاحب ہر بار ہی اس طرح بات کرتے کہ پورا مجمع عش عش کر اٹھتا۔ اب تو ہر دوسرے شخص کی زبان پر مولوی کی پرہیزگاری و صداقت کے قصے تھے۔ کچھ ہی دنوں میں مولوی صاحب بستی والوں کے دلوں میں گھر کرنے میں کامیاب ہوچکے تھے۔

☆......☆......☆

''سلام! سائیں! کیسے ہیں؟ بڑے دن ہو گئے سائیں! سب کی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ سوچا آج ملاقات کی جائے اور آپ کے بغیر تو وہ رونق بھی نہیں لگتی۔''

خدا بخش اور اسکے ساتھ دس پندرہ کے قریب اور لوگ بھی بیٹھک میں جمع تھے اور سرپنچ کو بھی یہیں کی دعوت دی تھی، اور اب واقعی محفل کی رونق دیکھنے لائق تھی۔

''خدا بخش! اس سے ملو یہ ولی محمد ہے۔ میرے چچیرے بھائی کا صاحبزادہ ہے، میں بہت پریشان تھا اس بستی کے مستقبل کو لے کر، خدا کے کرم سے آدھی پریشانی تو مولوی کے آنے سے ختم ہوگئی۔ اب سوچا کچھ عصری تعلیم بھی ہونی چاہئے بچوں کے واسطے، تو اسے راضی کیا یہاں آنے پر، یہ وہاں ماسٹر لگا ہوا ہے۔ اب امید ہے اگر مولا کا کرم ہوا تو ہمارے بچے بھی مستقبل میں اس قوم کا بہترین سرمایہ ثابت ہونگے۔'' سرپنچ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''سائیں! یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا، بچوں کے بہانے ہی سہی مولوی صاحب سے بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ رب سوہنے نے ان کے الفاظ میں جادو رکھا ہے، اور اب تو ہم ادا سائیں سے بھی بہت کچھ سیکھ لیا کریں گے۔

ادا سائیں! آپ مجھے پاکستان کی تاریخ کے متعلق بتائیے گا، مجھے بہت شوق ہے۔'' ادھیڑ عمر آدمی جو پہلے سرپنچ سے مخاطب تھا، آخر میں ولی محمد کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کر گیا۔

''چچا جان! میں ضرور آپ کو سناؤں گا، ابھی کافی رات ہوگئی ہے۔ میرا خیال ہے اب سب کو آرام کرنا چاہیے۔ اللہ نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی۔'' ولی نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنے کپڑے جھاڑے اور ساتھ ہی سرپنچ بھی کھڑا ہوگیا۔ محفل اپنے اختتام کو پہنچی اور سب ایک ایک کر کے اپنے گھروں کی طرف چل پڑے۔

☆......☆......☆

''چچا جان! کیا مولوی صاحب کچھ عجیب سے نہیں؟'' ولی محمد نے دیکھا تھا کہ گاؤں کے لوگ بہت زیادہ متاثر ہیں مولوی صاحب کی شخصیت سے سو سب کے سامنے پوچھنے سے اجتناب برتا اور اب گھر کی طرف جاتے ہوئے بھی لہجہ سرسری سا رکھا۔

''ہممم ۔۔ بیٹا سائیں! تم کافی سمجھدار ہو، میں دیکھ رہا ہوں، لیکن کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ظاہری طور پر وہ کافی اچھا کام کر رہا ہے۔ گاؤں والے بھی اس کے شیدائی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے، لیکن کبھی اکیلے میں اسے عبادت کرتے نہیں دیکھا، اور کئی بار میں نے اس کو ہاتھ میں بندھی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے خود سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں پریشان تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ پھر اپنا وہم سمجھ کر چھوڑ دیا۔'' سرپنچ نے ہنکارا بھرتے ہوئے بات شروع کی، اور پر سوچ انداز میں بولتے چلے گئے۔

''چچا جان! بے فکر رہیں، اور رہی بات اس آلے کی، شہر میں اسے ڈیجیٹل واچ کہتے ہیں۔ ایسی گھڑی جو دکھنے میں عام سی ہے، لیکن اس کے ذریعے آپ کہیں بھی کسی سے بھی بات کر سکتے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں، اللہ سائیں ہمارے بچوں کے مستقبل کا حامی و ناصر ہے۔''

☆......☆......☆

''واہ سائیں واہ! رب سوہنڑا آپ کا بیڑا پار کرے۔ مولوی صاحب! آپ نے دیکھا، سائیں نے کس طرح تقسیمِ ہند اور سقوطِ ڈھاکہ کی تاریخ بیان کی۔ واللہ! مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ گویا میں سب مناظر کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔'' تاریخ سننے کے شوق میں آج پھر خدا بخش ولی کو پکڑ لایا اور ولی کو دیکھتے ہی بستی کے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ تاریخ سن کر ادھیڑ عمر خدا بخش نے شدتِ جذبات سے ولی محمد کو گلے سے لگا لیا۔

''بالکل مجھے بھی سن کر اچھا لگا۔'' مولوی صاحب ولی کو دیکھ کم، گھور زیادہ رہے تھے۔ ولی محمد جو تاریخ سناتے وقت بھی عزام (مولوی صاحب) کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بخوبی دیکھ رہا تھا، اب زیرِ لب مسکرا پڑا۔

''ویسے شاہ صاحب میں سوچ رہا ہوں، کیوں نہ آج 7 ستمبر 1974ء میں جو تحریک چلی، اس کے بارے میں بات کی جائے۔'' ولی محمد نے اپنی طرف سے آخری پتہ پھینکا، جس کا اثر یہ ہوا کہ مولوی صاحب بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئے۔

''ہاں ولی محمد؟ 7 ستمبر، 7 ستمبر، ویسے میرا خیال ہے، یہ سب اس کو سننے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔'' عزام نے دانتوں کو آپس میں بھینچتے ہوئے کہا اور اس کی بوکھلاہٹ ولی کی آنکھوں سے چھپ نہ سکی۔

بستی والوں کو تو معلوم ہی نہ تھا کہ ولی اور عزام کے درمیان ایک سرد جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔

''کیوں نہیں مولوی صاحب! ہم سب سننے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اک لمبے عرصے کے بعد یوں سننے سنانے کا موقع ملا ہے۔'' سرپنچ نے اپنے پیچھے سے تکیہ نکال کر آگے رکھا اور سیدھے ہو کر بیٹھے۔ ان کو دیکھ کر بستی والوں نے بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔

''مولوی صاحب! آپ شروع کریں گے یا میں ابتداء کروں؟'' ولی کے چہرے پر سراسر دل

جلانے والی مسکراہٹ تھی۔عزام کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس محفل سے اٹھ جائے،لیکن اخلاقیات بھی کسی چڑیا کا نام ہے۔

”چلیں! آپ کی مرضی۔میں ہی سنا دیتا ہوں۔“ولی نے عزام کو خاموش دیکھ کر کندھے اچکائے،اور بستی والوں کی طرف متوجہ ہوا۔

”بزرگو!اس دن۔۔

7 ستمبر 1974ء

بعض تحریکیں،بعض تاریخوں کو”تاریخ“بنا دیتی ہیں۔جیسے 1953ء کی تحریک ختم نبوت نے 7 ستمبر 1974ء کو تاریخ بنا دیا۔اسلامیانِ پاکستان نے حصولِ آزادیِ وطن کی بنیاد،کلمہ طیبہ پر رکھی۔ان کے رگ و ریشے میں،کلمہ طیبہ اپنی حقیقت و معنویت کے ساتھ موجود ہے۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی اس کلمہ کے الفاظ و معانی اور حقیقت میں رد و بدل کر سکے؟ یہاں کے مسلمان،غربت، کرپشن، مہنگائی، بے روزگاری اور اقتصادی بحرانوں کو سہہ سکتے ہیں۔لیکن اسلامی نظریات بالخصوص ناموسِ رسالت اور ختمِ نبوت جیسے عظیم الشان اور حساس موضوع پر مداہنت سے کام نہیں لے سکتے۔حکمت کے نام پر بے حمیتی کا کسی طور پر مظاہرہ نہیں کر سکتے۔

اس دعوے کی ایک دلیل 7 ستمبر 1974ء کا وہ تاریخ ساز فیصلہ ہے، جو عوامی طاقت نے جمہوری و سیاسی زبان سے صادر کروایا۔

اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ پاکستان کے سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں، 22 مئی 1974ء کو،نشتر میڈیکل کالج ملتان کے کچھ طلبہ،معلوماتی وتفریحی سفر کے لیے، چناب نگر کے راستے پشاور جا رہے تھے کہ چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں نے، اپنا کفریہ لٹریچر تقسیم کرنے کی کوشش کی،جس پر طلبہ نے اس لٹریچر کو لینے سے انکار کیا اور ایمانی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔

طلبہ کا یہ قافلہ،29 مئی کو واپس ہونے لگا،تو نشتر آباد اسٹیشن (جو کہ چناب نگر اسٹیشن سے پہلے آتا ہے) پر قادیانی اسٹیشن ماسٹر نے چناب نگر کے قادیانی اسٹیشن ماسٹر کو بتلایا کہ فلاں بوگی طلبہ کی ہے۔
چنانچہ خلافِ ضابطہ چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر گاڑی روک لی گئی،سینکڑوں مسلح افراد،جس میں قادیانیوں کے قصرِ خلافت کے معتمدین،تعلیم الاسلام کالج کے طلباء ، اساتذہ اور بعض قادیانی دکانداروں نے، لاٹھیوں، سریوں، ہاکیوں، کلہاڑیوں اور برچھیوں کے ساتھ حملہ کر کے،30 نہتے طلبہ کو شدید زخمی کر دیا۔

قادیانی اپنے ساتھ بازاری فطرت کی عورتیں بھی لائے۔جب قادیانی غنڈے، مسلمان طلبہ کو مارتے تو وہ رقص کرتیں اور تالیاں بجاتیں۔
دریں اثنا نشتر میڈیکل کالج یونین کے صدر ارباب عالم کو اتنے زور سے مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔

اس واقعہ کا پورے ملک میں زبردست ردعمل ہوا۔

تحقیقاتی ٹربیونل قائم کیا گیا۔ ملک گیر ہڑتالیں کی گئیں۔ 13 دن مرزا ناصر سے اسمبلی میں جرح کی گئی۔ اس ساری کارروائی میں، قومی اسمبلی نے اڑھائی ماہ کے عرصے میں، 28 اجلاس بلائے اور 96 گھنٹوں پر مشتمل نشتیں ہوئیں۔ تمام مسالک کی قیادتوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔

7 ستمبر کو قومی اسمبلی میں، دستور کی دفعہ 106 میں قادیانی ولاہوری گروپ کو اقلیتوں کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ اور دفعہ 260 میں، ایک نئی شق کا اضافہ کیا، جس میں یہ طے کیا کہ:

"ہر فرد جو حضور ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کو، پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے ضمن میں مسلمان نہیں"

مرکزی وزیر قانون، جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے، بل پیش کیا۔ ان کے بعد مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمود قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے اٹھے اور بل کی مکمل تائید کی اور اس اقدام پر وزیر اعظم اور ارکان حزب اقتدار کو خراج تحسین پیش کیا۔

تقریباً پانچ بجے، سپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی نے قائد ایوان ذوالفقار علی بھٹو کو اظہار خیال کی دعوت دی۔ بھٹو صاحب نے آدھ گھنٹے کے لگ بھگ تقریر کی، اس کے بعد بل کی ووٹنگ کا مرحلہ شروع ہوا۔

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے، 130 ووٹ آئے اور قادیانیوں کی حمایت میں ایک ووٹ بھی نہ آیا۔ چنانچہ قومی اسمبلی نے اتفاقِ رائے سے یہ بل پاس کیا اور مرزائیوں کو ہمیشہ کیلئے غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

7 ستمبر 1974ء شام 7:30 بجے سینٹ کا اجلاس ہوا۔ مرکزی وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے قومی اسمبلی کا، منظور شدہ بل سینٹ میں پیش کیا۔ ایوان میں 2 بار رائے شماری ہوئی۔ قومی اسمبلی کی طرح، سینٹ میں بھی سارے ووٹ مرزائیوں کے خلاف آئے، اور ایک ووٹ بھی ان کے حق میں نہ آیا۔

بالآخر 7 ستمبر رات 8:00 بجے ریڈیو پاکستان نے یہ خبر نشر کی کہ مرزائیوں کو قومی اسمبلی اور سینٹ نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا ہے۔ یہ اعلان سننا تھا کہ لوگ خوشی کے مارے سڑکوں پر نکل آئے، ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ اس فیصلے نے جہاں اہلیانِ پاکستان کے دینی جذبات کی مکمل ترجمانی کی، وہیں پوری دنیا کے مسلمانوں میں اسلامیان پاکستان کی قدر کو بھی بڑھا دیا کہ پاکستان کے مسلمان حضور ﷺ کی ختمِ نبوت پر کسی کو ڈاکے ڈالنے کی قطعاً اجازت نہیں دے سکتے۔

موجودہ حکومت، ملک سے دہشت گردی اور تخریب کاری کو ختم کرنے میں سنجیدہ ہے۔ تو اسے حالات و مشاہدات کے پیش نظر قادیانیوں کے

اسلام و ملک دشمن سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنی ہوگی۔تاکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اہلیانِ وطن کے اسلامی اساسی عقائد کا تحفظ برقرار رہے، اوران کے جان ومال اورعزت وآبرو کا تحفظ بھی۔“

ولی بولتا جارہا تھا، اور بستی والوں کے چہروں پر غم و غصے کے سائے منڈلا رہے تھے۔جبکہ دوسری طرف عزام اپنی مٹھیاں بھینچے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اوراس وقت اس کو اپنے اکیلے پن کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

”کیا ہوجاتا جو دو چار جماعت کے بندے ساتھ لے آتا، لیکن نہ جی، خود پر اتنا زعم جو تھا کہ اکیلے بستی کو ہینڈل کرلے گا۔کاش ولی کی آمد کا پہلے سے معلوم ہوتا! کاش کاش کاش!!“

عزام سوچوں میں غرق تھا، جبکہ ولی کی خفا اٹھاتی نظریں، مستقل اس کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔

”یا وحشت! اتنے بے حیا ہوگئے لوگ کہ دولت کے پیچھے اپنے ایمان بیچ دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کا سودا کرلیتے ہیں“، علی سدا کا جذباتی پرجوش آواز میں بولا۔

”ہم اپنے اردگرد ہمیشہ دھیان رکھیں گے تاکہ کوئی قادیانی ہماری بستی میں نہ آسکے اوراگر کوئی آیا تو ہم اسے یہاں رہنے نہیں دیں گے“، بشیرے نے قادیانیوں سے نفرت سے چور لہجے میں کہا۔

”زبردست! چلو پھر ابتداء کرتے ہیں اسی سے“، ولی نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جہاں عزام بیٹھا تھا۔

لیکن یہ کیا! عزام صاحب تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھے۔ڈھونڈنے پر معلوم ہوا، صرف محفل سے ہی نہیں، بستی سے بھی کوچ کرچکے ہیں۔

ایک بار پھر محفل پورے جوبن پر تھی اور موضوعِ گفتگو عزام شاہ تھا تو دوسری طرف، ولی پرت پرت فتنۂ قادیانیت کو بھی کھول رہا تھا جس کو سن کر وقفے وقفے سے محفل میں۔

”توبہ توبہ! کیسا تھا ملعون!

لعنت ہو مرزے پر!

ختم نبوت زندہ باد!“

اس طرح کی صدائیں بلند ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

معزز قارئین و قاریات! ہمارے اردگرد کتنے ہی عزام موجود ہیں جو سرمد، علی، بشیر، خدابخش اورانہی کی طرح کے، کتنے ہی لوگوں پر محنت کر رہے ہیں اوران کی نسلوں کو، قادیانیت کی طرف مائل کررہے ہیں۔

پھر کیوں نہ ہم ولی محمد کی طرح ہوجائیں اور نت نئے فتنوں کی پہچان حاصل کریں۔

اب سے عزم کرلیں! کہ جب، جہاں کوئی بھی موقع ہو، ہم نے اپنی وسعت اورقوت کے مطابق، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس کی حفاظت کرنی ہے۔

خدائے ازل آپ سب کا حامی وناصر ہو!

☆......☆......☆



بھروسا

عبدالمجید شاکر

دکھ ہو یا سکھ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل یا بھروسا کرنا ایک ایسی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ پر بھروسا کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی اپنا ہر کام محنت اور توجہ سے کرے مگر اپنی محنت اور کوشش کا نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے اور بھلائی کی امید رکھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نیکی کا کام کرتے ہوئے اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی اللہ پر بھروسا رکھے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ ہر مصیبت کا ہمت سے مقابلہ کرے۔

ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا شروع کیا اور ان کو بتوں کی پوجا کرنے اور برے کاموں سے منع کیا تو مکہ کے وہی لوگ جو آپ ﷺ کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے، آپ ﷺ کے دشمن بن گئے اور آپ ﷺ کو طرح طرح سے ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھا۔ ہر قسم کی مصیبتیں اور تکلیفیں بڑے حوصلے سے برداشت کیں اور کسی خوف یا گھبراہٹ

کو دل میں لائے بغیر لوگوں کو برابر اللہ کی طرف بلاتے رہے۔

ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنے کا جو نمونہ آپ ﷺ کی زندگی میں ملتا ہے اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ کیجیے!

جس زمانے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا آغاز کیا۔آپ ﷺ اکیلے ہی حرم کعبہ میں چلے جاتے تھے اور وہاں سب کے سامنے اللہ کی عبادت کرتے رہتے۔

ایک دفعہ چند شریر کافروں نے منصوبہ بنایا کہ جب آپ ﷺ حرم شریف میں آئیں،وہ آپ ﷺ کو شہید کر دیں۔آپ ﷺ کو ان کے منصوبے کی اطلاع مل گئی لیکن آپ ﷺ نے کچھ پروانہ کی اور وضو کر کے اللہ کے بھروسے پر بے دھڑک حرم شریف میں تشریف لے گئے۔آپ ﷺ کا حوصلہ دیکھ کر کسی کو آپ ﷺ پر ہاتھ اٹھانے کی جرات نہ ہوئی۔

مکہ سے ہجرت فرما کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم چند میل کے فاصلے پر ثور پہاڑ کے ایک غار میں مقیم ہوئے۔دوسرے دن مکہ کے چند کافر آپ ﷺ کو تلاش کرتے کرتے غار کے منہ پر پہنچ گئے۔آپ ﷺ کے پیارے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ لیا اور گھبرا کر بولے:

"یارسول اللہ ﷺ! اگر یہ لوگ ذرا جھک کر دیکھیں گے تو ہم ان کو نظر آجائیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

"غم نہ کرو! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اور پھر واقعی اللہ نے آپ ﷺ کی مدد فرمائی اور کافر آپ ﷺ کو دیکھ ہی نہ سکے۔

غار ثور میں تین دن رات قیام کرنے کے بعد آپ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو ایک عرب قبیلے مدلج کے سردار سراقہ بن جشم نے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کا تعاقب کیا۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے۔سراقہ کے قریب پہنچنے پر انھوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

"یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا پیچھا کرنے والا ہمارے بہت قریب آگیا ہے۔"

آپ ﷺ نے اطمینان سے جواب دیا:

"کچھ فکر نہ کرو! اللہ ہماری حفاظت کرنے والا ہے اور پھر واقعی اللہ نے آپ ﷺ کی حفاظت کی اور سراقہ کو ناکام واپس جانا پڑا۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں آپ ﷺ کے گھر کے باہر صحابہ پہرہ دیا کرتے تھے تاکہ کوئی دشمن آپ ﷺ کو نقصان نہ پہنچائے۔ایک رات کو آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک باہر نکال کر صحابہ کو پہرہ دیتے دیکھا تو فرمایا:

"لوگو! واپس جاؤ میری حفاظت اللہ کرے گا۔"

ایک رات کو مدینہ میں ایک طرف بڑا شور اٹھا۔شہر کے لوگوں نے سمجھا کہ کسی دشمن نے حملہ کر

دیا ہے۔ وہ فوراً تیار ہو کر اُس طرف کو دوڑے جدھر شور ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ انھیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ لوگوں کے تیار ہونے سے پہلے ہی اللہ کے بھروسے پر اکیلے شور والی جگہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

"میں شہر کے باہر دیکھ آیا ہوں، کوئی خطرہ کی بات نہیں، چلو! واپس چلیں!"

ایک دفعہ ایک مہم سے واپس آتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور سب لوگ ادھر ادھر درختوں کے نیچے سو گئے۔ رسول اللہ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے کہ ایک کافر ننگی تلوار ہاتھ میں لیے آیا اور آپ ﷺ کو جگا کر کہنے لگا۔

اب تم کو کون بچائے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ۔"

اتنا سنتے ہی بدو پر کپکپی طاری ہوگئی اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔

آپ ﷺ نے وہی تلوار اٹھا کر اس سے پوچھا، اب تجھے کون بچائے گا؟

ڈر کے مارے اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جاؤ! میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔"

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد بھی مکہ کے کافر مدینہ کے یہودی اور منافق آپ ﷺ کے خلاف سازشوں اور شرارتوں میں مشغول رہے جن کے نتیجے میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں۔ تمام مشکلات اور مصیبتوں میں رسول پاک ﷺ نے ہمیشہ اللہ پر بھروسا کیا، کبھی دشمن کی تعداد کو خاطر میں نہ لائے اور نہ بھی اس کے ساز و سامان اور فوجی طاقت کی پروا کی۔

مطلب یہ کہ ہر معاملے میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے کہ جو اس کو منظور ہو گا وہی ہو گا۔ وہ ہر انسان کے دل کا حال جانتا ہے اور کامیابی عطا فرماتا ہے۔

☆......☆......☆

کوپن برائے "وہ کون تھا؟"

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

سچی خوشی

محمد طلحہ

”جیکو اس کو میرے پاس بھیجو!“

”یس باس!“ ڈیوڈ بولا۔ ساتھ ہی جانے کے لیے مڑ گیا۔

اس کے جانے کے پندرہ منٹ بعد سوٹ بوٹ میں ملبوس ایک شخص اندر داخل ہوا، اس نے کوٹ کے کالر کھڑے کیے ہوئے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ غرایا۔

ہینڈز اپ“

باس نے چونک کر پیچھے کی جانب دیکھا، اسے جیکو اس کے ہاتھوں میں پستول نظر آیا۔

”یہ کیا حرکت ہے، جیکو اس؟“ باس پوری قوت سے دھاڑا۔

”حرکت نہیں، اسے حکمت کہتے ہیں، حکمت“ وہ سنجیدگی سے بولا، ساتھ ہی اس نے دائیں بائیں چار فائر کر ڈالے، پھر پستول جیب میں رکھ کر وہ دھیرے سا مسکرایا۔

”تم..... تم..... تم حیرت انگیز ہو“

باس تعجب خیز لہجے میں بولا۔

اس کا مطلب ہے باس، آپ سمجھ چکے ہیں کہ میں نے یہ فائر آخر کیوں کیے“

”نہیں۔ میں اب تک نہیں سمجھ سکا۔

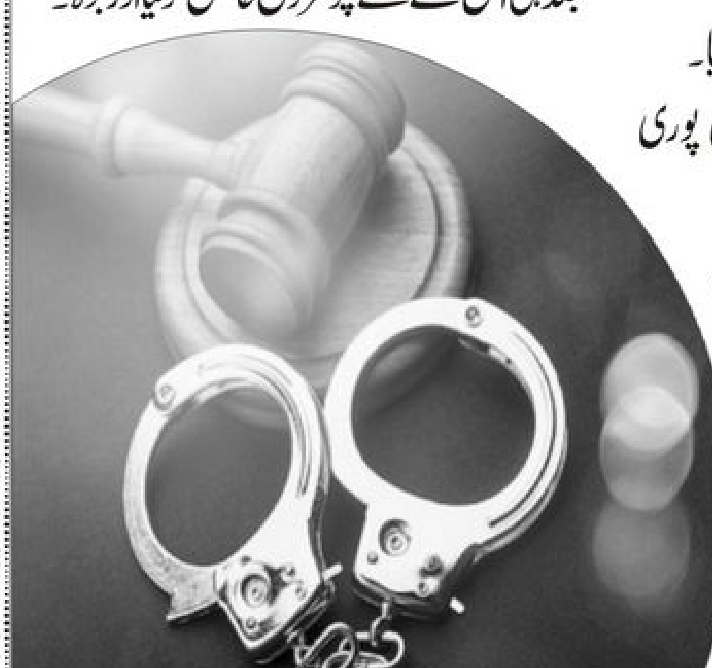
بہر حال مجھے یقین ہے کہ تم نے چار میں سے ایک فائر بھی بے مقصد نہیں کیا۔“

”بالکل ٹھیک کہا، باس!“

انسپکٹر اویس نے نہایت چالاکی سے چاروں کونوں میں انتہائی خفیہ قسم کے کیمرے نصب کر دیئے تھے۔

جیکو اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور منہ سے نکلنے والا بلغم ایک طرف تھوک دیا۔

جسے دیکھ کر باس کی تیوریاں چڑھ گئیں لیکن جلد ہی اس نے غصے پر کنٹرول حاصل کر لیا اور بولا۔



''پچاس بچے آرڈر کے پورے ہوئے کہ نہیں؟''
''جیکو اس کبھی بھی ادھورا کام نہیں کرتا'' وہ اکڑ کر بولا۔
''اسی لیے تم مجھے باقی لوگوں کی نسبت زیادہ پسند ہو۔'' باس کی بات سن کر جیکو اس نے دانت نکال دئیے۔ ساتھ ہی وہ اچھل پڑا۔
''باس! میں کچھ دیر تک آتا ہوں'' اس کے لہجے میں بے پناہ گھبراہٹ تھی، باس کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ جیکو اس بجلی کی تیزی سے باہر نکل گیا۔
وہ گاڑی دوڑاتا ہوا شہر سے باہر نکل آیا اور ایک عمارت کے سامنے جا کر گاڑی سے نیچے اتر آیا اور تقریباً بھاگتا ہوا عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔ اس عمارت کے بارے میں باس اور جیکو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔
عمارت کے اندر داخل ہوتے ہی ایک کشادہ صحن تھا۔ اس کے بعد ایک تنگ سا برآمدہ تھا اور ایک ہال نما کمرہ تھا، وہ کمرے میں داخل ہوا وہاں کوئی نہیں تھا۔
وہ کمرے کے تیسرے کونے پر جا کھڑا ہوا، فوراً سامنے والی دیوار کا کچھ حصہ کسی لفٹ کی طرح اوپر اٹھ گیا وہاں سیڑھیاں نظر آنے لگیں۔ جس کے ذریعے وہ تہہ خانے میں نیچے اتر گیا۔ وہاں پچاس بچے بے سدھ سے پڑے تھے۔
اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی اسے غور سے دیکھ رہا ہے، اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر ٹھٹھک کر رک گیا، ایک بچہ بڑی معصومیت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ بچہ کی طرف متوجہ ہوا تو وہ بول پڑا۔
''انکل! کیا آپ مسلمان ہیں؟'' اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا، اس کا دماغ گھوم گیا۔
چھوٹا منہ بڑی بات، اس نے سوچا پھر بولا۔
''ہاں! ہاں! بیٹا! میں مسلمان ہوں''
''لیکن میری امی تو کہتی ہیں کہ مسلمان کبھی برے کام نہیں کرتے۔ مسلمان تو کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔ مسلمان تو سب کو خوشی دیتے ہیں۔''
جاسم رضا عرف جیکو اس پاس رکھی کرسی پر گر گیا۔ اسے اپنی حقیقت ایک کتے سے بھی بدتر محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کپکپاتی ٹانگوں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔
اس کے پاس کے گھر کے ایڈریس لکھے ہوئے نہیں تھے، لیکن ہر بچہ اتنا بڑا تو ضرور تھا کہ اپنے محلے کا نام بتا سکے۔ بچے باری باری ہوش میں آتے جا رہے تھے۔ اس کے بعد گھر تلاش کرنا ذرا بھی مشکل ثابت نہ ہوا۔ سب سے آخر میں وہ اسی بچے کو چھوڑنے جا رہا تھا جو اس کی زندگی بدلنے کا باعث بنا تھا۔
رخصت ہوتے وقت دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جاسم رضا (جیکو اس) کے لب ملے۔
''کیا تم مجھے اپنا نام نہیں بتاؤ گے؟''
''جی ہاں! کیوں نہیں، میرا نام ''محمد'' ہے۔''
تمام بچے گھر پہنچ چکے تھے، جاسم رضا کے بتانے پر انسپکٹر اویس باس کو گرفتار کر چکے تھے۔

جو کہ قید خانے کی سلاخوں کے پیچھے بیٹھا جیکو اس سے بدلہ لینے کے بارے میں پیچ تاؤ کھا رہا تھا۔

جاسم رضا چلتا ہوا انسپکڑ اویس کے پاس آیا۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"انسپکڑ صاحب!!! مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ سچی خوشی محسوس ہو رہی ہے، کیا آپ بتا سکتے ہیں، اس سے پہلے مجھے ایسی خوشی کیوں محسوس نہیں ہوئی؟؟"......

"جی ہاں! میں تمہیں بتا سکتا ہوں، پہلے تم لوگوں کو تکلیف میں دیکھ کر خوشی محسوس کرتے تھے، لیکن جو خوشی تم انسانیت کی مدد کرنے میں حاصل کر رہے ہو، وہ کسی چیز میں نہیں"

"بس سر! آپ نے بالکل درست کہا، میں آج واقعی انسانیت کی مدد کر کے سچی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔"

بھولنا سیکھیں

ایک بوڑھا آدمی کانچ کے برتنوں کا بڑا سا ٹوکرا سر پر اٹھائے شہر بیچنے کے لئے جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اسے ہلکی سی ٹھوکر لگی تو ایک کانچ کا گلاس ٹوکرے سے پھسل کر نیچے گر پڑا اور ٹوٹ گیا۔

بوڑھا آدمی اپنی اسی رفتار سے چلتا رہا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو پیچھے چلنے والے ایک اور راہگیر نے دیکھا تو بھاگ کر بوڑھے کے پاس پہنچا اور کہا:" باباجی! آپ کو شاید پتہ نہیں چلا، پیچھے آپ کا ایک برتن ٹوکرے سے گر کر ٹوٹ گیا ہے"

بوڑھا اپنی رفتار کم کیے بغیر بولا:" بیٹا مجھے معلوم ہے"

راہگیر:" حیران ہو کر بولا باباجی!" آپ کو معلوم ہے تو رکے نہیں"

بوڑھا:" بیٹا جو چیز گر کر ٹوٹ گئی اس کے لیے اب رکنا بے کار ہے، بالفرض میں اگر رک جاتا، ٹوکرا زمیں پر رکھتا، اس ٹوٹی چیز کو جو اب جڑ نہیں سکتی کو اٹھا کر دیکھتا، افسوس کرتا، پھر ٹوکرا اٹھا کر سر پر رکھتا تو میں اپنا ٹائم بھی خراب کرتا، ٹوکرا رکھنے اور اٹھانے میں کوئی اور نقصان بھی کر لیتا اور شہر میں جو کاروبار کرنا تھا افسوس اور تاسف کے باعث وہ بھی خراب کرتا۔ بیٹا، میں نے ٹوٹے گلاس کو وہیں چھوڑ کر اپنا بہت کچھ بچا لیا ہے"

ہماری زندگی میں کچھ پریشانیاں، غلط فہمیاں، نقصان اور مصیبتیں بالکل اسی ٹوٹے گلاس کی طرح ہوتی ہیں کہ جن کو ہمیں بھول جانا چاہیے، چھوڑ کر آگے بڑھ جانا چاہیے۔ کیوں؟ کیونکہ یہ وہ بوجھ ہوتے ہیں جو آپ کی رفتار کم کر دیتے ہیں۔ آپ کی مشقت بڑھا دیتے ہیں۔ آپ کے لیے نئی مصیبتیں اور پریشانیاں گھیر لاتے ہیں۔

آپ سے مسکراہٹ چھین لیتے ہیں آگے بڑھنے کا حوصلہ اور چاہت ختم کر ڈالتے ہیں۔ اس لیے اپنی پریشانیوں، مصیبتوں اور نقصانات کو بھولنا سیکھیں اور آگے بڑھ جائیں۔

محمد عثمان



آج اسکول کا آخری دن تھا اور دوسرے دن سے گرمیوں کی چھٹیوں کا آغاز ہو رہا تھا۔ اجالا اور سویرا آج بہت خوش تھیں اور پرجوش بھی، ویسے تو گرمیوں کی طویل چھٹیاں بہت مزہ دیتی تھیں مگر اس بار تو مزے کے ساتھ جوش بھی شامل ہو چکا تھا۔ سویرا اور اجالا...... دونوں چچا زاد بہنیں تھیں۔...... ان کے دو بھائی والدین ...... اور دادی جان سب ایک ہی گھر میں مل جل کر رہتے تھے۔ یہ اندورن شہر ایک کشادہ گھر تھا۔ اس کے کھلے صحن میں بڑے گھنے اور سایہ دار پھلوں کے درخت لگے تھے جو گرمیوں میں سایہ اور ٹھنڈک دینے کے ساتھ ہر موسم میں پھلوں سے بھر جاتے اور فضا کو تازہ رکھتے۔

حلیمہ بیگم کی تو پسندیدہ جگہ یہی کونہ تھا جہاں امرود کے درخت کے ساتھ ہی موتیے اور رات کی رانی کے پودے اپنی خوشبو پھیلائے رکھتے۔ حلیمہ بیگم نے اسی کونے میں اپنا تخت بچھا رکھا تھا اور یہیں بیٹھ کر وہ سارے گھر کے امور کی نگرانی کرتیں تھیں۔

دونوں بیٹے سعادت مند تھے اور حلیمہ بیگم کا یہ گلشن خوب پھل پھول رہا تھا۔ سویرا اور اجالا کی ایک پھپھو بھی تھیں جو شادی کے بعد لندن جا بسی تھیں، مگر اب کئی برسوں کے بعد ان کی وطن واپسی ہوئی تھی اور انہوں نے کراچی میں گھر بنالیا تھا۔ سلمی پھپھو کی شادی بھائیوں سے پہلے ہوگئی تھی اور اتنے برس وہ واپس بھی نہ آئیں تھیں اسی وجہ سے وہ اپنی



بھابھیوں اور ان کے بچوں کے لئے ایک اجنبی شخصیت بن کر رہ گئی تھیں ۔اس دوران حلیمہ بیگم دو بار بیٹی سے لندن جا کر مل آئیں مگر باقی سب کے لیے یہ ملاقات کا پہلا موقع تھا ۔اسی وجہ سے بچے اور ان کی مائیں کچھ بوکھلائے ہوئے تھے جب کہ دونوں بھائی بہت خوش تھے کہ اتنے برسوں بعد بہن اور اس کے بچوں سے ملاقات ہوگی۔

اس کے لئے بچوں کی گرمیوں کی تعطیلات کا انتظار کیا گیا تھا اور اب وہ سب ایک لمبا سفر کر کے کراچی جانے کو بے تاب تھے۔

حلیمہ بیگم جہاں بیٹی اور نواسے نواسیوں سے ملنے کی خوشی سے سرشار تھیں وہاں ایک خلش بھی تھی جو انہیں مستقل بے چین رکھے ہوئے تھی ۔گھر کے ماحول میں کچھ عرصے سے ایک تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو چکی تھی اور غیر محسوس طریقے سے ان کی بہویں اور بچے بہت سی ایسی عادات کو اپنانے لگ گئے تھے جو کہ بالکل بھی مناسب نہیں تھیں۔ ان میں یہ بدلاؤ اچانک ہی پیدا ہوا تھا اور وہ اس کا سبب سمجھنے سے قاصر تھیں۔

کچھ ہفتے پہلے ہی انہوں نے اجالا اور سویرا کے پاس ایسی گڑیا دیکھی جو مغربی لباس پہنے بے ہودہ گانوں پر ناچ رہی تھی ۔انہیں بڑی حیرت ہوئی کہ بچیوں کو ایسا غیر اخلاقی کھلونہ کیونکر دلوایا گیا ہے!!

اس کے ساتھ ہی بچوں کے لباس اور گفتگو میں بھی کافی بدلاؤ نظر آنے لگا جو بالکل بھی خوشگوار نہیں تھا۔

دونوں بچیوں کے لباس میں سے آستینیں غائب ہوتی جا رہی تھیں اور لباس بھی مغربی رنگ میں رنگتا جا رہا تھا ۔لڑکوں کو بھی کرتے شلوار اور مناسب سی ڈھیلی پینٹ شرٹ کی جگہ سخت تنگ اور کسی ہوئی رنگ برنگی پینٹیں اور عجیب و غریب فیشنوں کی قمیضیں پہنے دیکھ کر وہ پریشان ہوگئیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے!!

حلیمہ بیگم نے بچوں سے کہا

"یہ سب کیا ہے!! میرے بچوں اس طرح کا لباس اور انداز!! یہ تو میری تربیت نہیں اور نہ ہی ہمارے مذہب میں ان سب کی اجازت ہے۔"

عاقب اور عاشر نے یہ سن کر تیز لہجے میں کہا۔

"دادی جان یہ سب پرانے وقتوں کی بات ہے ،اب تو نیا زمانہ ہے اور سب اسی طرح رہتے ہیں۔"

حلیمہ بیگم نے حیرت سے پوتوں کے تیز لہجے کو سنا، وہ پریشان ہوگئیں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

اتنی دیر میں سویرا اور اجالا بھی اپنی ماؤں کے ساتھ وہاں آچکی تھیں جو کہ بغیر آستین اور کھلی پنڈلیوں والے لباس پہنی ہوئی نظر آتی تھیں۔

حلیمہ بیگم نے سب کو اپنے پاس بیٹھنے کو کہا اور پھر کہنے لگیں ۔"میرے بچوں آپ کو علم ہے کہ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے!! ہمارے پیارے نبی

پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ

''جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو چاہے کرتا رہ''

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی برے کام سے روکنے کا جو واحد سبب ہے وہ شرم وحیا ہے اور جب کسی میں شرم کا فقدان ہو جائے اور حیا باقی نہ رہے تو اب اس کا جو جی چاہے گا وہی کرے گا اور جب انسان اپنی مرضی کا غلام بن جاتا ہے تو اس کا یقینی انجام تباہی بن جاتی ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محسن انسانیت نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہے تو اس سے شرم وحیا چھین لیتا ہے۔''

ایک اور جگہ نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ ''ہر دین کی ایک پہچان ہے اور اسلام کی پہچان حیا ہے''

یعنی ایک مسلمان اپنے لباس، انداز نشست گفتگو اور زندگی کے ہر معاملے میں حیادار نظر آتا ہے یہی اس کی پہچان ہے۔

امی یہ سب تو ٹھیک ہے مگر دنیا کے ساتھ بھی تو چلنا پڑتا ہے۔

سویرا کی امی نے جواب دیا۔

''امی اب ہم اپنے بچوں کو پینڈو تو نہیں بنا سکتے، سب کے ساتھ چلنے کے لیے خود کو بدلنا ضروری ہوتا ہے''۔

اجالا کی امی نے یہ کہہ کر بات ختم کی اور اٹھ کر چلی گئی۔

حلیمہ بیگم بہوں کی بات سن کر چپ رہ گئیں وہ کچھ سوچ رہی تھیں مگر مناسب وقت کے انتظار میں تھیں۔ ٹرین کی ٹکٹیں ہو چکی تھیں اور دو دن بعد ان سب کو سفر پر روانہ ہونا تھا۔ بچے بہت پر جوش تھے۔ وہ پہلی بار ٹرین کا سفر کرنے جا رہی تھے اور پھر لندن پلٹ کزنز اور سلمی پھپھو سے ملنے کی خوشی اپنی جگہ تھی۔ جس کے لیے بڑے زور وشور سے تیاریاں بھی کی گئی تھیں۔

حلیمہ بیگم دیکھ رہی تھیں کہ ان کے بچے ماڈرن بننے کی کوشش میں کس طرح تباہ ہو رہے ہیں۔ عاشر اور عاقب پورے راستے ایک دوسرے سے لڑتے رہے اور دونوں بچیاں بھی ہر بات پر ضد کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کھانے پینے کی اشیاء بھی آدھی ادھوری کھا کر ضائع کی جاتی رہیں اور یہ سب دیکھ دیکھ کر وہ رب کریم سے اپنے بچوں کے لئے دعائے خیر اور معافی طلب کرتی رہیں۔

اسٹیشن پر سلمی اپنے شوہر کے ساتھ ان کے استقبال کو موجود تھیں۔ سب ایک دوسرے سے بہت محبت سے ملے اور پھر یہ سب لوگ ایک بڑی گاڑی میں بیٹھ کر سلمی کے گھر کو روانہ ہوئے۔

کراچی ایک بڑا شہر ہے۔ جہاں دیکھو انسانوں کا سمندر نظر آتا ہے۔ بڑی اور اونچی عمارتیں بڑے بڑے پلازہ اور تفریح گاہیں دیکھ کر بچے بہت خوش ہو رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ مزار قائد بھی نظر آیا۔

''پھپھو یہ تو قائد کا مزار ہے نا'' اجالا نے خوشی سے بھرپور لہجے میں دریافت کیا۔

''ہاں یہ قائد کا مزار ہے ۔اس کے علاوہ یہاں جناح گارڈن کے نام سے چڑیا گھر بھی ہے اور سمندر کے کنارے کئی ساحلی تفریح گاہیں بھی ہیں ۔ایک فوجی میوزیم پی ایف میوزیم کے نام سے ہے اور ایکسپو سینٹر بھی جہاں آج کل کتابوں کی نمائش لگی ہے ۔میں آپ کو سب جگہ لے جاؤں گی اور ہم سب خوب مزے کریں گے''۔

سلمی نے محبت سے بچوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو سب بچے بہت خوش ہوئے اور سلمی پھپھو زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔

ان ہی باتوں میں وہ گھر پہنچ گئے۔ جہاں ان کے کزن ان کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔

چاروں بچوں نے بہت خوشی سے ان سب کا استقبال کیا ،نہایت ادب سے نانی اور ماموں ،ممانیوں کو سلام کرکے اور ان سے پیار لے کر وہ تمیز کے ساتھ اپنے ہم عمروں میں جا بیٹھے۔

چاروں بچے سادہ اور آرام دہ لباس میں تھے عالیہ اور نمرہ جو اجالا اور سویرا کی ہم عمر ہی تھیں پورے لباس کے ساتھ سر پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت اسکارف لی ہوئی تھیں ،ان کے دونوں بھائی بھی صاف ستھرے کرتے شلوار پہنے ہوئے تھے۔

حلیمہ بیگم کی دونوں بہویں یہ سب بغور دیکھ رہی تھیں ۔اسٹیشن پر بھی سلمی کو عبایا اور اسکارف میں دیکھ کر وہ کچھ چونکی ضرور تھیں اور اب سلمی کے بچے اور گھر کی سادگی سے کی گئی آرائش بھی دیکھ رہی تھیں ۔ہر چیز سے مشرقی رنگ جھلک رہا تھا۔ایک سکون اور نور تھا جو اس خاندان کے چہروں سے جھلکتا نظر آتا تھا۔

کھانے کے وقت فرشی نشست کا اہتمام کیا گیا اور دستر خوان پر سب سلیقے سے بیٹھ گئے ۔بچوں نے ہاتھ دھوئے اور بلند آواز سے بسمہ اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔کھانا ختم ہوا تو ان چاروں کی پلیٹیں صاف تھیں جب کہ حلیمہ بیگم کے پوتوں پوتیوں کے برتن میں کھانا بچ گیا تھا۔کھانے کے بعد ان بچوں نے اللہ پاک کا شکر ادا کیا اور ہاتھ دھو کر کلیاں کر کے منہ صاف کیا۔

ان سب کے سلیقے اور تمیز کو دیکھ کر اجالا سویرا اور عاقب عاشر کچھ شرمندہ سے تھے اور ان کی مائیں بھی حیران نظر آرہی تھیں۔

کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا اور سب بیٹھ کر باتیں کرنے لگے ، اس وقت حلیمہ بیگم کی بڑی بہو نے سلمی سے پوچھا ''سلمی آپ تو اتنے برس لندن رہ کر آئی ہیں اور آپ کے بچے لندن میں پیدا ہوئے پلے بڑھے ہیں مگر ان کو اور آپ کو دیکھ کر تو لگتا ہی نہیں کہ آپ لوگ برطانیہ سے آئے ہیں۔''

سلمی زیر لب مسکراتے ہوئے بھابھی کی

بات سن رہی تھی اور سارے بچے بھی یہ جاننے میں دلچسپی رکھتے تھے۔

"بھابھی سب سے پہلے تو ہماری شناخت ہمارا مذہب ہے۔ہم دنیا میں کہیں بھی چلے جائیں مگر الحمدللہ ہماری سب سے پہلی ترجیح ہمارا دین ہی ہے۔ہم جس کے بندے ہیں وہ تو ہر جگہ موجود ہے اور ہمارا دین کہتا ہے کہ حیا ایمان کا حصہ ہے۔محسن انسانیت نے فرمایا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی کہ اس سے کرنی چاہیے۔"

اور اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر میں جو افکار وخیالات ہیں ان سب کی نگرانی کرو اور پیٹ کی اور جو کچھ پیٹ میں بھرا ہے ان سب کی نگرانی کرو،اور موت کو اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس کو یاد کرو،پس جس نے ایسا کیا سمجھو اس نے للہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق ادا کر دیا۔"

اس حدیث مبارکہ میں فکر وعمل سے موت وحیات تک کے تمام امور میں حیا کا درس دیا گیا ہے۔حقیقت یہی ہے کہ حیا کی سب سے زیادہ حق دار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے،اور چونکہ للہ تعالیٰ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں اس لیے کھلے چھپے ہر حال میں للہ تعالیٰ سے حیا کی جائے اور للہ تعالیٰ سے حیا کا مطلب للہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیا جائے۔"

اتنے میں عصر کی اذان کی آواز گونجی اور سب لڑکے اور مرد مسجد کی طرف روانہ ہو گئے ان میں عاقب اور عاشر بھی شامل تھے۔خواتین نے وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔حلیمہ بیگم نے دیکھا کہ اجالا اور سویرا بھی سر پر اسکارف پہنے جائے نماز پر کھڑی تھیں۔

ان کا دل خوشی سے بھر گیا اور وہ رب کریم کے آگے شکر کا سجدہ بجالائیں کہ جو بات وہ زبان سے نہ سمجھا پائی اس کو سلمیٰ اور اس کے بچوں نے عملی سبق دے کر سمجھا دیا۔انہیں یقین تھا کہ یہ سبق اب ان کے گھرانے کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور ان کے بچے حیا کا مفہوم سمجھ کر اسے اپنے معمولات کا لازمی حصہ بناتے ہوئے زندگی بسر کریں گے۔

☆......☆......☆

چھوٹا عمل بڑا ثواب!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک شخص راستے پر چل رہا تھا کہ اس نے وہاں کانٹے دار ڈالی دیکھی۔اس نے اسے اٹھالیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول کیا اور اس کی مغفرت کر دی۔(صحیح بخاری)



انگریز فوجی افسر کو نواب حیدر علی کی شجاعت اور فنون جنگ میں مہارت کا اندازہ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کرنل اوڈ بے خوف وخطر آگے بڑھ رہا تھا۔ حیدر علی کا ہراول دستہ انگریزی فوج کے راستے کی دیوار بن گیا تھا۔ پھر ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی۔ فرنگی سپاہی بھی دلیری سے لڑے مگر ان کی بہادری کے پیچھے صرف تاجرانہ جذبہ کارفرما تھا۔ وہ محض ایسٹ انڈیا کمپنی کی زمین کو وسعت دینے کے لیے لڑ رہے تھے۔ ان کے برعکس حیدر علی کے سپاہی اپنی قومی روایت اور وطن کے دفاع کی خاطر برسرپیکار تھے۔

دونوں فوجوں کے مقاصد میں واضح فرق تھا۔ اس لیے حیدر علی کے سپاہی کرنل اوڈ کے سپاہیوں پر غالب نظر آرہے تھے۔ مگر اچانک میسور کے فوجی پسپا ہوتے ہوئے نظر آنے لگے۔ کرنل اوڈ سے اندازے کی غلطی ہوگئی تھی۔ وہ یہی سمجھا کہ حیدر علی کی فوج شکست کے قریب ہے، اس لیے میدان جنگ سے فرار ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ عرصہ کارزار کا رنگ بدلتا دیکھ کر کرنل اوڈ کے حوصلے کچھ اور بلند ہوگئے۔ وہ اپنے گردوپیش سے بے خبر ہو کر میسوری افواج کا تعاقب کرتا رہا۔

فرنگی کرنل کے خیال میں وہ فتح کے نزدیک تر پہنچ گیا تھا، اس لئے مسلسل پیش قدمی کرتا رہا۔ پھر

ایک مقام پر اسے اندازہ ہوا کہ حیدر علی کے سپاہیوں کی پسپائی کا انداز مصنوعی اور نمائشی ہے۔ مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔

کرنل اوڈ محفوظ جگہ پر پہنچنے کے لئے تیزی سے واپس پلٹا لیکن اس کے ذہین ترین حریف نے اسے کوئی موقع نہیں دیا۔ کرنل اوڈ حیرت و بے چارگی کے عالم میں ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا اور حیدر علی کے جانباز فوجی دستے اس کے گرد گھیرا تنگ کرتے جا رہے تھے۔ اب فرنگی کرنل پر یہ راز کھلا کہ حیدر علی کے ہراول دستے کی پسپائی کا سبب کیا تھا۔

کرنل اوڈ کا لشکر چاروں طرف سے محصور ہو چکا تھا اور اسے اپنی مکمل تباہی صاف نظر آ رہی تھی۔ اسے کرنل اوڈ کی خوش قسمتی ہی تصور کیا جائے کہ میجر جیرالڈ کو بروقت خبر پہنچ گئی۔ میجر جیرالڈ اس وقت وینکٹ گری میں متعین تھا۔ وہ فوراً ایک فوجی دستہ لے کر کرنل اوڈ کی مدد کو پہنچا اور اس نے عقب سے داخل ہو کر فرنگی فوج کو مکمل طور پر تباہ ہونے سے بچا لیا۔ کرنل اوڈ، نواب حیدر علی کا قائم کردہ حصار توڑ کر فرار ہو گیا۔ لیکن اس کشاکش میں فرنگیوں کا شدید جانی و مالی نقصان ہوا۔

کرنل اوڈ کے ہزاروں سپاہی لقمہ اجل بن گئے اور نواب حیدر علی نے تمام بھاری توپوں کے ساتھ دیگر جنگی سامان پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس مادی مفاد سے قطع نظر والئ میسور کو اس جنگ سے سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا تھا کہ اس نے فرنگیوں کو شکست دے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے جارحانہ عزائم پر خاک ڈال دی تھی اور فرنگیوں کے دو مسلمان حلیفوں نواب والا جاہ محمد علی اور نظام علی خان کے منصوبوں کو بھی شدید نقصان پہنچایا تھا۔

ادھر کرنل اوڈ اور میجر جیرالڈ باقی ماندہ فوج کو لے کر بنگلور کے علاقے سے فرار ہو رہے تھے اور ادھر ٹیپو سلطان برق رفتاری کے ساتھ مدراس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب کرنل اسمتھ اور والا جاہ محمد علی کو کرنل اوڈ کی شکست کی خبر ملی تو وہ دونوں بدحواس ہو کر مدراس کی جانب فرار ہو گئے۔ گورنر مدراس نے کرنل اسمتھ کو دیکھا تو انتہائی غضب ناک ہو کر بولا۔

''کیا تجھے کمپنی نے اسی دن کے لئے اتنی مراعات دی تھیں کہ تو میدان جنگ میں فرنگیوں کے ناموس کو فروخت کر کے فرار ہو جائے؟''

''اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا''

کرنل اسمتھ غائبانہ طور پر نواب حیدر علی کو خراج عقیدت پیش کر رہا تھا۔

''وہ بظاہر ہماری طرح گوشت پوست کا انسان ہے مگر اس کے اعصاب سنگ و آہن سے بنائے گئے ہیں۔ حادثات و خطرات سے الجھنا اس کے لئے روز مرہ کے کام سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ موت کو ایک دلچسپ مشغلہ سمجھتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ وہ پڑھا لکھا نہیں ہے، ایک جاہل

شخص ہے۔مگراس کا دماغ سند یافتہ دانشمندوں سے زیادہ بہتر انداز میں سوچتا ہے۔''

''بس! بس خاموش ہو جاؤ! بزدل نامراد! گورنر مدراس جوشِ غضب میں کھڑا ہو گیا اور اس نے کرنل اسمتھ کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ مارا۔دشمن کی تعریف کر کے اپنی نااہلی پر پردہ ڈال رہا ہے۔کرنل اوڈ تجھے بتائے گا کہ جنگ کیسے لڑی جاتی ہے؟''

''آپ کا وہ مردِ شجاع بھی شکست کھا کر مدراس پہنچنے ہی والا ہے۔'' کرنل اسمتھ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''کیا بکتا ہے؟'' گورنر مدراس کی آواز کسی درندے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔شکست بھی بڑی عجیب چیز ہے کہ شدت کرب سے کرنل اسمتھ کا سرخ وسفید چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔

"جنگ کیا ہارا کہ اپنا اعتبار ہی کھو بیٹھا۔خیر! میں تو جھوٹ ہی بولوں گا مگر پھر بھی نواب سے پوچھ کر دیکھو کہ بنگلور کے محاذ پر کرش اوڈ کا کیا حشر ہوا ہے؟"

کرنل اسمتھ کی زبانی یہ انکشاف سن کر گورنر مدراس کا سارا غصہ کافور ہو گیا اور اس کے چہرے پر وحشت کی برسنے لگی۔

''نواب! یہ کرنل کیا کہہ رہا ہے؟'' گورنر نے والئ ارکاٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کرنل بہادر سچ کہتے ہیں۔''

نواب ارکاٹ نے سر جھکا لیا۔

اگرچہ والا جاہ محمد علی اپنے منصب کے اعتبار سے ایک ریاست کا حکمراں تھا لیکن انگریزوں کا کاسہ لیس ہونے کی وجہ سے معمولی عہدہ رکھنے والے فرنگیوں کو بھی بڑے ادب و احترام کے ساتھ پکارا کرتا تھا۔

''بدقسمتی سے کرنل اوڈ بھی شکست کھا چکے ہیں۔عنقریب یہ خبر حضور تک بھی پہنچ جائے گی۔''

''پھر؟ گورنر مدراس سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔"میں کیا کروں؟ تم لوگوں نے مجھے شاہ انگلستان کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

کچھ دیر بعد اس کے حواس بحال ہوئے تو وہ دوبارہ کرنل اسمتھ پر برس پڑا۔

''تو میری نظروں کے سامنے سے دُور ہو جا! اب میں ایک دن کے لئے بھی مدراس میں تیرا وجود برداشت نہیں کروں گا''

کرنل اسمتھ اسی دن کلکتہ چلا گیا اور گورنر مدراس والا جاہ محمد علی کے ساتھ آئندہ جنگ کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔

ٹیپو سلطان تیز رفتاری کے ساتھ مدراس کی طرف بڑھ رہا تھا۔راستے میں جس قدر بستیاں آئیں ،انہیں لوٹ لیا جاتا مگر مقامی باشندوں کی جانیں بخش دی جاتیں۔ یہاں تک کہ ٹیپو مدارس کے نواح میں پہنچ گیا اور اسے کوئی روکنے والا نہیں تھا۔پھر یکا یک

پورا شہر گولوں کی آواز سے گونجنے لگا۔

ٹیپو سلطان شہر میں داخل ہو کر قلعہ سینٹ جارج پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا اور اسی خیال سے اس نے شہری علاقے پر گولہ باری کا حکم دیا تھا۔

اس وقت گورنر مدراس اور نواب والا جاہ محمد علی ایک ساحلی تفریح گاہ میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک دھماکوں کی آوازیں سن کر گورنر گھبرا گیا اور اس نے اپنے خدمت گار کو طلب کر کے پوچھا۔

''کیا بارود کے گودام میں آگ لگ گئی ہے؟''

خدمت گار نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''پھر یہ کیسی آوازیں ہیں؟'' گورنر نے خدمت گار کو حکم دیا۔ وہ بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہا تھا۔ خدمت گار، ساحلی تفریح گاہ سے نکل کر قلعے کی طرف چلا گیا تو گورنر نے شراب کا جام طلب کیا اور ایک ہی گھونٹ میں پی گیا۔

''سرکار بہادر! آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟'' نواب والا جاہ محمد علی نے انتہائی خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''سپاہیوں کی زندگی میں تو دھماکے ہوتے ہی رہتے ہیں۔''

''نہیں نواب!'' گورنر مدراس اپنی نشست سے اٹھ کر ٹہلنے لگا تھا۔

''یسوع مسیح ہماری حفاظت کریں، میں کسی بری خبر کا منتظر ہوں'' اور پھر کچھ دیر بعد ہی گورنر مدراس نے وہ بری خبر سن لی۔

خدمت گار کا گھوڑا تفریح گاہ کے قریب آ کر رک گیا اور وہ پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا فورنر کے نزدیک پہنچا۔

''سرکار! دشمن شہر کے دروازے پر آ پہنچا ہے۔'' فرنگی خدمت گار کی آواز گھٹی گھٹی تھی۔

''کون دشمن؟'' گورنر مدراس نے گھبرا کر پوچھا۔

''حیدر علی کا بیٹا ٹیپو سلطان''

شدت خوف سے خدمت گار کی پتلیاں کانپ رہی تھیں۔ ابھی خدمتگار کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اتفاق سے ایک گولہ اس جگہ آ کر گرا جہاں گورنر اور نواب ارکاٹ والا جاہ محمد علی بیٹھے ہوئے تھے۔

فرنگی حاکم پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ وہ ساحل کی طرف بھاگا اور اس نے جہاز میں پہنچ کر پناہ لی۔ اس پریشانی کے عالم میں گورنر مدراس کی ٹوپی اور تلوار اس میز پر رہ گئی، جہاں وہ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

گورنر کا فرنگی خدمت گار بار بار اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا رہا تھا اور آسمان کی طرف دیکھ کر چیخ رہا تھا۔

''خداوندا! خداوندا!''

شہر اور قلعے کے مکینوں پر کیا گزری، کسی کو پتہ نہیں تھا۔ نواب والا جاہ محمد علی، گورنر سے محبت کے تمام دعوے فراموش کر کے گھوڑے پر سوار ہوا

اور اس نے محل میں پہنچ کر سانس لیا۔

ٹیپو سلطان سینٹ جارج کے قلعے پر قبضہ کر کے اس علاقے میں انگریزوں کی ریشہ دانیوں کو ختم کرنا چاہتا تھا مگر گورنر مدراس کی ایک چال نے ٹیپو کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ ایک گھڑ سوار گرد و غبار میں اٹا ہوا، ٹیپو کے لشکر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''مجھے ولی عہد سلطنت کے پاس لے چلو!''

''تو کون ہے؟''

ٹیپو کے فوجی افسر نے اس شہسوار کو روکتے ہوئے کہا۔

''میں نواب بہادر کا قاصد ہوں۔''

شہوار نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے شہزادے کے پاس لے چلو! میں والئ میسور کا ایک خاص پیغام لے کر آیا ہوں۔ نواب بہادر پر عجیب وقت آ پڑا ہے۔ خدا کے لئے میرے قیمتی لمحات ضائع نہ کرو!''

فوجی افسر بھی قاصد کی حالت زار دیکھ کر گھبرا گیا اور اسے فوری طور پر ٹیپو کے پاس لے گیا۔

''نواب بہادر، ترنا ملے کے محاذ پر محصور ہو گئے ہیں۔'' قاصد نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ کہا۔

ان کی مدد کو جلد پہنچیے! ورنہ میسور کی تاریخ بدل جائے گی۔'' بڑی ہوش ربا خبر تھی۔ نوعمر ٹیپو گھبرا گیا۔

''کیا تیرے پاس نواب بہادر کا کوئی تحریری حکم ہے؟'' ولی عہد میسور نے قاصد سے پوچھا۔

''ایسے اہم اور خفیہ پیغامات قلم بند نہیں کئے جاتے شہزادے!'' قاصد بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔

''میں اپنے خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ نواب کی زندگی خطرے میں ہے۔''

اب اطمینان کے لئے کیا باقی رہ گیا تھا۔ ٹیپو سلطان نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنی فوجوں کو کوچ کا حکم دے دیا۔

ترنا ملے پہنچ کر ٹیپو کو معلوم ہوا کہ نواب حیدر علی بخیر و عافیت ہیں اور اس محاذ پر دشمن سے کوئی معرکہ آرائی نہیں ہوئی ہے۔

دراصل واقعہ یہ تھا کہ گورنر مدراس نے نواب والا جاہ محمد علی کے مشورے سے ایک ایسے مسلمان کا انتخاب کیا تھا جو حیدر علی کے علاقے کی زبان روانی سے بول سکتا تھا۔ پھر اس شخص کو میسور کے سپاہیوں کا لباس پہنا کر خفیہ راستوں سے بہت دُور پہنچا دیا۔ پھر وہ اپنے چہرے پر غبار مل کر اس طرح واپس پلٹا کہ جیسے نواب حیدر علی کا کوئی خاص پیغام لے کر ٹیپو سلطان کے پاس پہنچا ہے۔

گورنر مدراس اپنی چال میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جب ٹیپو نے باپ کے سامنے تمام صورتِ حال بیان کی تو حیدر علی برہم ہو گیا۔

''اگر تمہیں اپنے باپ کے انتقال کی خبر بھی ملتی تو اس سے کیا فرق پڑتا؟''

☆......☆......☆

شیخی خور کا انجام

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب



پیارے بچو!

ایک تھا لگڑ بھگا جسے ہر بات میں شیخی بگھارنے کی عادت تھی۔ اپنی دھاک بٹھانے کے لیے جھوٹی باتیں بنا کر جنگل کے سارے جانوروں کو بے وقوف بنانا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

حالانکہ وہ ایک انتہائی بزدل اور بھگوڑا جانور تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ اس کی بزدلی کے قصے جنگلستان میں سب ہی سن چکے تھے۔

یہ لگڑ بھگا بزدل تھا مگر اسے باتیں خوب بگھارنا آتی تھیں۔ گھما پھرا کر بات کرتا تھا کہ سب اس کی باتوں کے چکر میں چکرا کر رہ جاتے تھے اور یوں وہ اپنی بزدلی کو اپنی بڑبولی میں چھپا لیتا۔

ایک راز کی بات بھی سنیں! لکڑ بھگے کی شیر بادشاہ کے تصور سے ہی جان جاتی تھی۔ وہ تو شیر بادشاہ کچھ عرصہ پہلے جنگلستان میں ہونے والی ایک جھڑپ میں شدید زخمی ہوگئے تھے۔ زخم بھرنے تلک انہیں آرام کرنا ضروری تھا۔ سو وہ دن بھر اپنی کچھار میں پڑے اونگھتے رہتے تھے جبکہ بھیڑیئے اور لومڑ شیر بادشاہ کو شکار لا کر دینے کی

ڈیوٹی انجام دینے پر معمور تھے۔

بادشاہ سلامت زخمی ہو کر کیا بیٹھ گئے مانو جنگلستان کا نظام دھرم بھرم ہو کر رہ گیا۔ چھوٹے شکاری جانور جو شیر کے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے تھے اکڑ کر چلنے لگے۔ ان کا سارا ڈر رفع ہو گیا تھا کیوں کہ ان کی دانست میں زخموں سے چور شیر بادشاہ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔

ہائے زخمی بادشاہ، وہ بے چارہ تو اب دھاڑ بھی نہیں سکتا اور کھانے پینے کے لیے بھی دوسرے جانوروں کا محتاج ہو گیا ہے۔

بس اسی سوچ نے چھوٹے درندوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا اور ان سب نے مل کر بادشاہ کے خلاف منصوبے بنانا شروع کر دیے۔ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں لگڑ بھگا سر فہرست تھا۔

❁......❁......❁

ایک دن جنگلستان کے ہرے بھرے میدان میں بندر، بھالو، زیبرا اور زرافے کو اپنے گرد جمع کر کے شیخی خورہ لگڑ بھگا خوب لمبی لمبی چھوڑ رہا تھا۔ میں یہ، میں وہ۔ اور تو اور شیخی میں وہ حد ہی پار کر گیا، اکڑ کر بولا۔

"میں اگر غصے میں آجاؤں تو میرے آگے شیر بھی کچھ نہیں۔"

"میاں لگڑ بھگے! کیا کہہ رہے ہو؟" بھالو نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر کہا۔

"ہاں تو زخمی لنگڑے شیر کو پچھاڑنے میں دیر ہی کتنی لگے گی۔" لگڑ بھگے نے مختصراً اڑایا اور کھی کھی کر کے ہنسنے لگا۔

شیر سے ڈرنے والے چھوٹے ڈرپوک اور بدخواہ جانوروں کو لگڑ بھگے کی بڑ بولی سے شہہ ملی، وہ شدت سے شیر کو زیر کرنے کے خواہشمند تھے۔

❁......❁......❁

وہیں سے کچھ ہی دور شیر بادشاہ اپنی کچھار میں سویا ہوا تھا جب شیر کے کھانے کے لیے تازہ شکار لائے لومڑ نے شیر کے قریب آ کر شیر کو جگاتے ہوئے کہا۔

"بادشاہ سلامت! شیخی خورے نے آج پھر سارے جانوروں کو اپنی باتوں میں الجھا رکھا ہوا ہے۔ ذرا خبر لیجیے!"

کچی نیند سے بیدار ہونے کی وجہ سے بیمار شیر چڑچڑا سا ہو گیا، اٹھا اور منہ پھاڑ کر طویل جمائی لی تو لومڑ بری طرح ڈر گیا۔ اچانک شیر کی پشت سے تیز سیٹی نما آواز آئی۔ کچھار کی بائیں طرف اونچی چٹان پر بیٹھا عقاب گھمبیر آواز میں بولنے لگا۔

"چھوٹے درندے بغاوت پر اتر آئے ہیں۔ باغیوں کا سر کچلنے کا وقت آ گیا ہے، بادشاہ سلامت۔"

شیر کو عقاب کی باتوں کا اثر لیتا دیکھ کر لومڑ بھی بول اٹھا۔

"جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ بادشاہ سلامت! آپ کی بادشاہت شدید خطرے میں ہے۔"

یہ تو شیر بادشاہ نے بھی چند دنوں کی تکلیف اٹھا کر اچھی طرح جان لیا تھا کہ زور زبردست کا ہی چلتا ہے۔ اسی لیے شیر کسی طور بھی خود کو کمزور اور بیمار ظاہر کر کے زیر دست ہونے کی فاش غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سو ایک منصوبہ تیار کیا گیا۔

❁……❁……❁

لگڑ بھگا پھولے نہیں سما رہا تھا کیونکہ اس کے حمایتیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ شیر کے خلاف خفیہ منصوبے بنانے کے بعد بڑی بے فکری کے ساتھ دم ہلاتے اور گنگناتے ہوئے اپنے ٹھکانے کی طرف جا رہا تھا جب لومڑ نے اس کا راستہ روکا اور اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"شیر بادشاہ کی حالت انتہائی تشویشناک ہے۔ حملہ کرنے کا اس سے اچھا موقع نہیں۔"

لگڑ بھگے نے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"سوچنے میں وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ میری بات پر اعتبار نہیں تو خود چل کر دیکھ لو!"

ڈرپوک لگڑ بھگا اکیلے جانے سے ہچکچا رہا ہے یہ لومڑ بھانپ گیا۔

"گھبراتے کیوں ہو میں بھی ساتھ چلتا ہوں قریب المرگ شیر کو پچھاڑنے کے لیے ہم دو ہی کافی ہیں"

"مگر ر ر باقیوں کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔" لگڑ بھگے نے کمزور سی پیشکش کی تو لومڑ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"ارے! بے وقوفی مت کرو! جو سب سے پہلے شیر کی موت کا اعلان کرے گا، وہی جنگلستان کا بادشاہ بنے گا اور تم تو بادشاہ بننے کے لائق ہو۔" لومڑ کی چکنی چپڑی باتوں نے لگڑ بھگے کو ساتویں آسمان پر چڑھا دیا تھا۔

❁……❁……❁

لومڑ شیخی خورے لگڑ بھگے کو اپنے ساتھ لیے شیر کی کچھار کے قریب جا پہنچا۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہوا بھی رکی ہوئی تھی۔ آج تو مینڈکوں کی ٹرٹر بھی نہیں گونج رہی تھی۔ پیڑوں پر پرندوں کا شور نہیں۔ ماحول میں عجیب سی خاموشی ہے لگتا ہے شیر چل بسا۔ اس خیال نے لگڑ بھگے کو حوصلہ دیا اور وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ کچھار کے دہانے پر پہنچ چکا تھا۔ اندر سے کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔

شیر آخری سانسیں لے رہا ہے۔ یہ سوچ کر لگڑ بھگے کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ لومڑ نے اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جاؤ اور شیر بادشاہ کا کام تمام کر دو!"

لگڑ بھگے نے فوراً اپنے پنجے نکال لیے اور پتھر پر رگڑنے لگا۔

"یہ کیا کرتے ہو؟" لومڑ بولا۔

"میں شیر کی کھال نوچنے کے لیے پنجوں کو دھار لگا رہا ہوں۔"

"ارے پہلے اندر جا کر دانتوں سے اس کی

شہ رگ تو دباؤ!" لومڑ نے کہا۔

"تم ہی تو کہہ رہے ہو کہ شیر تشویشناک حالت میں ہے تو اسے آرام سے مرجانے دو جب تک ہم یہاں پہرا دیتے ہیں۔" لگڑ بھگے نے لومڑ کو ٹالتے ہوئے کہا تو لومڑ ایک دم واپس جانے کو مڑا، لگڑ بھگا بولا:

"کہاں جاتے ہو؟"

"تم سے نہ ہو سکے گا۔ میں کسی اور کو بلا لاتا ہوں۔" وہ بولا۔ بس یہ سننا تھا کہ لگڑ بھگے کو جیسے جوش آ گیا۔ وہ جھٹ کچھار میں گھس گیا۔

کچھار کے اندر چوکنا بیٹھے شیر نے ایک ہی جست لگا کر لگڑ بھگے کو قابو میں کر لیا۔ لگڑ بھگا ہاتھ پاؤں مارتا ہی رہ گیا۔ لگڑ بھگے کا نرخرہ اپنے جبڑوں میں دبائے شیر بادشاہ بڑی شان سے کچھار سے باہر نکل آیا۔ شیر بادشاہ زوردار آواز میں دھاڑا۔ ماحول میں چھائی خاموشی نے دم توڑ دیا۔

درختوں پر دم سادھے بیٹھے پرندوں کی جان نکل گئی۔ فضا میں شیر کی آواز جنگل میں آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی۔

شیر بادشاہ کے قدموں میں لگڑ بھگا ڈھیر ہوا پڑا تھا۔ اس کی شیخی، بڑ بونگیوں اور اکڑفوں نے اسے عبرت ناک انجام تک پہنچا دیا تھا۔

❀......❀......❀

خوش رہنے کا نسخہ

اگر آپ اپنی زندگی میں بہت کچھ جمع کرنے کی بجائے بہت کچھ کم کرتے جائیں تو بے حد پرسکون زندگی گزر سکتی ہے۔ بلا ضرورت ایک ٹکے کی خریداری بھی نہ کریں۔ للچاتے ہوئے جی کو قابو میں رکھیں۔ جو چیز کام دے رہی ہو اور چل رہی ہو اسے بلاوجہ بدلنے سے گریز کریں۔ گھروں میں اسٹور بنانا ترک کر دیں تو فضول خرچی اور فضول چیزوں کو جمع کرنے سے بچ سکتے ہیں۔ لوگوں کو دکھانے کی خاطر کھانے پینے اور پہننے کے جھنجھٹ سے بچ جائیں تو آپ سے بڑھ کر بہترین کوئی بھی نہیں۔

حواء بنت زبیر

محمد مقصود احمد شہیدؒ

غازی علم الدین شہیدؒ سے
غازی عامر چیمہ شہیدؒ تک





قسط 7

علامہ اقبال وفد کی یہ گفتگو سن کر دس بارہ منٹ تک بالکل خاموش رہے اور گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ وفد کے ارکان منتظر اور مضطرب تھے کہ دیکھئے علامہ کیا فرماتے ہیں؟ توقع یہی تھی کہ جواب اثبات میں ملے گا کہ ایک عاشق رسول ﷺ کا معاملہ دوسرے عاشق رسول ﷺ کے سامنے پیش ہے۔ اس سکوت کو پھر علامہ اقبال ہی کی آواز نے توڑا۔ انہوں نے فرمایا:

کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟"

ارکان وفد نے جواب دیا: نہیں! اس نے تو ہر عدالت میں اپنے اقدام کا اقرار اور اعتراف کیا ہے۔ اس نے نہ تو بیان تبدیل کیا اور نہ لوگ لپیٹ اور ایچ پیچ کی کوئی بات کہی۔ وہ تو کھلے عام کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے۔ مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش مت کرو۔ وفد کی اس گفتگو کو سن کر علامہ اقبال کا چہرہ تمتما گیا۔ انہوں نے برہمی کے لہجے میں فرمایا

" جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے، تو میں اس کے اجر وثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے مسلمان کے لئے وائسرائے کی خوشامد کروں، جو زندہ رہا تو غازی اور مر گیا تو شہید ہے..

علامہ کے لہجے میں اس قدر تیزی تھی کہ وفد کے ارکان اس سلسلے میں پھر کچھ اور کہنے کی جرات نہ کر

سکے اور وفد واپس کراچی ہوگیا۔ سچ یہ ہے کہ لاہور میں غازی علم دین اور کراچی میں غازی عبدالقیوم کے ان واقعات کا علامہ اقبال نے بہت زیادہ اثر قبول کیا تھا اور اپنے قلبی تاثر کو تین شعروں میں بیان فرمایا۔ غازی عبدالقیوم کے لئے رحم کی اپیل کی روشنی میں ان اشعار کا مفہوم کچھ اور زیادہ ابھرتا ہے۔ اشعار یہ ہیں:

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلم غیور
موت کیا شے ہے؟ فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ! اے مرد مسلمان تجھے کیا یاد نہیں
حرف لاتدمع مع اللہ الھا اخر

میں نے ایک طرف یہ وفد علامہ کے پاس روانہ کیا اور دوسری طرف گورنر بمبئی کے نام رحم کی اپیل بھیج دی۔ اس کا جواب ملا کہ درخواست زیرغور ہے، دو ہفتے تک آپ کو نتیجہ سے آگاہ کر دیا جائے گا۔

گورنر بمبئی کا جواب ملے تیسرا روز تھا کہ صبح کے وقت میں نے اپنے دفتر میں سنا کہ رات غازی عبدالقیوم کو پھانسی دے دی گئی۔ میں مولانا عبدالعزیز کو لے کر جیل پہنچا تو پرائیویٹ ذریعہ سے پتہ چلا کہ صبح اذان کے وقت غازی کے لواحقین کو ان کی جائے قیام پر جگا کر بتایا گیا کہ عبدالقیوم کو پھانسی دے دی گئی ہے۔ لاش کو پولیس سرکاری گاڑی میں رکھ کر میوہ شاہ قبرستان میں لے گئی ہے، جنازہ تیار ہے، منہ دیکھنا ہے تو جلد چلو۔

ہم لوگ جیل سے قبرستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ میت قبر میں اتاری جا چکی تھی کہ مسلمانوں کا جم غفیر وہاں پہنچ گیا اور اس نے مٹی ڈالنے نہ دی۔ ایک جوشیلا قومی کارکن قلندر خان قبر میں کود گیا اور میت کو لحد میں سے نکالا چارپائی کفن وغیرہ کا بندوبست پہلے سے ہو چکا تھا، فوراً لاش کو کفنایا اور جنازہ لے کر روانہ ہو گئے۔

یہ خبر آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔ کراچی مسلم اکثریت کا شہر تھا اور صبح کا وقت۔ دیکھتے ہی دیکھتے دفع 144 کے نفاذ کے باوجود، بارہ ہزار مسلمان جمع ہو گئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فوراً فوج طلب کر لی۔ ہم اس عرصہ میں راستہ کاٹ کر چاکیواڑ کے قریب ایک تنگ گلی سے گزر کر جنازے کے قریب پہنچ گئے۔

بے پناہ ہجوم تھا..... کندھا دینے والوں میں قلندر خان خاصا نمایاں نظر آتا تھا۔ اچانک ہجوم کا ریلا آیا اور پھر برابر والی نیلی گلی سے تڑ تڑ' کی آواز گونجی..... نظر اٹھا کر آگے کا جائزہ لیا تو قلندر خان کے بدن سے خون کا فوارہ اچھلتے دیکھا۔ اس کے باوجود وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ جنازے کو کندھا دیئے جا رہا تھا۔ چند منٹ بعد وہ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑا۔

نہتے اور پر امن جلوس پر گوروں نے بے تحاشا فائرنگ کی۔سینکڑوں مسلمان شہید اور ہزاروں زخمی ہو گئے۔اندھا دھند فائرنگ کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مکانوں اور جھونپڑیوں میں بیٹھے بچے، بوڑھے اور عورتیں بھی اس کا نشانہ بن گئیں۔

حالات قدرے پرسکون ہوئے تو میں، مولانا عبدالخالق، مولانا عبدالعزیز اور حاتم علوی زخمیوں کی عیادت کے لئے سول ہسپتال گئے۔ہسپتال کے اردگرد پولیس کی بھاری تعداد اور کچھ فوج بھی موجود تھی۔ہم کسی نہ کسی طرح شہیدوں اور زخمیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے میں نے 106 لاشیں گنیں اور بعد میں ان کی تعداد 120 ہو گئی۔ہسپتال میں کہرام مچا ہوا تھا۔لاشیں علیحدہ کی جا رہی تھیں۔تڑپتے سسکتے کراہتے اور چیختے ہوئے زخمی الگ... بڑی تعداد ایسے زخمیوں کی تھی جن کے ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے۔حادثہ اتنا مہیب تھا کہ بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔پھر صبح کے وقت جب جوانوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ہاتھ پاؤں سے بھری وین سول ہسپتال سے نکلی تو بے اختیار میری چیخ نکل گئی۔بلکہ کئی دن تک حواس بحال نہ ہوئے۔خواب و خور حرام ہو گیا۔بے شمار لاشیں ان کے وارثوں نے پولیس میں رپٹ دیئے بغیر چپکے سے دفن کر دیں۔

☆......☆......☆

غازی میاں محمد شہید

انہیں بچپن ہی سے آنحضور ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ لگاؤ تھا، بہت سی نعتیں یاد تھیں، جنہیں وہ اکثر تنہائی میں یار دوستوں میں بیٹھ کر پڑھتے تھے۔وہ بڑے خوبصورت نوجوان تھے اور ہمیشہ نفیس اور عمدہ لباس زیب تن کیے رہتے۔لمبا قد، دلکش خدوخال، سرخ و سپید رنگ، باریک ہونٹ گھنی بھویں، ناک معیار حسن کے عین مطابق، پیشانی چوڑی، آنکھیں چمکدار، خوبصورت کی داڑھی اور خاص ادا کی مونچھیں، جن سے مردانہ وجاہت ٹپکتی تھی۔سر پر کلاہ اور خوبصورت پگڑی یہ تھے پیکر حسن و جمال غازی میاں محمد شہید رحمتہ اللہ علیہ

☆......☆......☆

میاں محمد 1915ء میں تلہ گنگ میں پیدا ہوئے۔والد ماجد کا نام نامی صوبیدار غلام محمد تھا، جو اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔پہلی جنگ عظیم چھڑی تو صوبیدار غلام محمد کو اپنی پلٹن کے ساتھ ملک سے باہر جانا پڑا۔اسی دوران میاں محمد پیدا ہوئے اس وقت ان کے والد عراق میں تھے۔بیٹے کی ولادت کی خبر سنی تو جی چاہا کہ فوراً اُڑ کر تلہ گنگ پہنچیں اور نومولود کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں، کیونکہ یہ بچہ شادی سے سات سال بعد بڑی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا۔لیکن اللہ کا کرنا صوبیدار غلام محمد ۱۹۱۹ء تک جنگ کے اختتام تک وطن واپس نہ آسکے۔اس

عرصہ میں وہ اپنی پلٹن کیساتھ عراق، شام، فلسطین اور استنبول وغیرہ میں فوجی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ میاں محمد پانچ سال کے تھے ان کے والد ماجد گھر لوٹے اور پہلی بار اپنے جگر گوشہ کو دیکھا۔ بار بار گود میں اٹھاتے اور پیار کرتے۔ پھر چند روز بعد انہیں پرائمری سکول میں داخل کرا دیا۔ پرائمری کے بعد وہ ہائی سکول میں داخل ہو گئے لیکن ساتویں جماعت تک پڑھنے کے بعد ان کا جی تعلیم سے اچاٹ ہوگیا۔ 15 سال کے ہوئے تو ڈرائیوری سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں ملازم ہو گئے اور تلہ گنگ سے میانوالی جانے والی ایک بس چلانے لگے لیکن بہت جلد اس سے جی بھر گیا۔ ۱۹۳۱ء میں گاؤں واپس آگئے۔

1933ء میں انڈین نیوی میں بھرتی ہو گئے۔ اسی ملازمت کے دوران پھوپھی زاد بہن "نیک اختر" کے ساتھ ان کی شادی ہوگئی۔ انڈین نیوی میں نوکری کرتے ابھی بمشکل ڈیڑھ برس ہی گزرا تھا کہ کھیل کے دوران ساتھی کی بدکلامی کی وجہ سے بگڑ گئے اور ہاکی سے اسے پیٹ ڈالا۔ آرمی ایکٹ کے تحت مقدمہ چلا اور وہ ملازمت سے برطرف کر دیے گئے۔

2 جنوری 1935ء کو وہ بلوچ رجمنٹ میں بطور سپاہی بھرتی ہوئے اور ابتدائی ٹریننگ کراچی میں مکمل کرنے کے بعد اسی سال اکتوبر میں مدراس چھاؤنی بھیج دیئے گئے۔

یہی وہ جگہ تھی جہاں قدرت نے ان سے ایک غیر معمولی کام لینا تھا اور جس کے لئے وہ مختلف مقامات پر پھرتے پھراتے بالآخر یہاں پہنچے تھے!

------

17 ئی 1937ء کی شب کا ابھی آغاز ہوا تھا۔ مدراس چھاؤنی میں ڈیوٹی سے فارغ فوجی سپاہی مختلف گروپوں میں بیٹھے، خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ انہی میں ایک طرف چند مسلمان نعت رسول کریم ﷺ سننے میں محو تھے۔ اتفاق سے جو شخص نعت شریف سنا رہا تھا، وہ ایک ہندو تھا۔ یہ بڑی خوش الحانی اور عقیدت مندی کے ساتھ نعت سنا رہا تھا۔ قریب ہی ایک ہندو ڈوگرے سپاہی نے جب ایک ہندو کو اس طرح عقیدت مندی کے ساتھ نعت پڑھتے سنا تو وہ مارے تعصب کے جل کر کباب ہوگیا۔ اس نے با آواز بلند آنحضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے نعت پڑھنے والے ہندو سے مخاطب ہو کر کہا:

محمد کو چھوڑ کر کسی اور کاذ کر کرو۔۔ تو کیسا ہندو ہے تو تو ہندو دھرم کا مجرم ہے تیرا پاپ معاف نہیں کیا جا سکتا۔

مسلمان سپاہیوں نے ڈوگرہ سپاہی کی یہ بد زبانی سنی تو صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئے لیکن میاں محمد اپنے آقا ﷺ کی شان میں یہ گستاخی سن کر تڑپ

اٹھے اور ڈوگرہ سپاہی سے کہا:

تیرے ہم مذہب کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ وہ حضور محمد ﷺ کے نام مبارک سے اطمینان قلبی حاصل کرے اس لئے وہ سرکار ﷺ کی نعت پڑھ رہا ہے، تجھے اپنے خبث باطن کی وجہ سے یہ بات پسند نہیں تو، تو یہاں سے چلا جا۔

خبردار آئندہ ایسی بکواس نہ کرنا۔

یہ سن کر ڈوگرہ سپاہی بولا:

میں تو بار بار ایسا ہی کہوں گا۔تم سے جو ہو سکتا ہے کرلو یہ بے ہودہ جواب سن کر میاں محمد کا خون کھول اٹھا۔ ایک ہندو ڈوگرے نے ان کی حمیت ایمانی کو للکارا تھا۔انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا:

آئندہ اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کا جملہ کہنے کی جرات نہ کرنا ورنہ یہ بدتمیزی تجھے بہت جلد ذلت ناک موت سے دو چار کر دے گی۔

یہ کہ کر میاں محمد سیدھے اپنے حوالدار کے پاس گئے، وہ بھی ہندو تھا۔آپ نے اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اگر چرن داس نے برسر عام معافی نہ مانگی، تو اپنی زندگی سے کھیلنا مجھ پر فرض ہو جاتا ہے۔ہندو حوالدار نے اس نازک مسئلے پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔صرف یہی کہا کہ میں چرن داس کو سمجھا دوں گا۔

نقصان

اس سال کے لیے ایک بات یاد رکھیں کہ حقیقی زندگی ہو یا سوشل میڈیا!! دوسروں کے جھگڑوں اور تنازعات سے ہمیشہ دور رہیں، جذبات میں آکر جانبداری کا مظاہرہ بھی بہت مہنگا پڑ سکتا ہے۔ جن کے لیے آپ جذباتی ہو جاتے ہیں ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنے مفادات کی خاطر باہم شیر وشکر ہوتے ہیں تو گھاٹے میں صرف آپ کی ذات رہتی ہے۔کسی کا مشکل میں ساتھ ضرور دیں لیکن پھڈے میں نہیں۔

دو ہاتھی جب لڑتے ہیں تو سب سے زیادہ نقصان گھاس کا ہوتا ہے!!!

آصفہ عنبرین

عزم

آج صبح سے ہی بچے بہت خوش تھے۔ آج اتوار تھا۔صدف نے سوچا بچوں کو لے کر بہن کے گھر چلی جاؤں۔فٹافٹ کاموں کو نمٹا کر بچوں کو تیار کیا۔رکشہ لیا اور چلی گئی۔

عامر صاحب صبح ہی کام پر چلے جاتے تھے۔ صدف نے ناشتے کے وقت ہی عامر صاحب سے اجازت لے لی تھی۔انہوں نے بخوشی اجازت دی تو بچوں کے چہرے کھل اٹھے۔

''السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،باجی!''

صدف نے سب کو باآواز بلند سلام کیا،بہن سے گلے ملیں اور باتوں میں مصروف ہوگئیں۔

مریم مسکرا اٹھی،کچن میں جا کر کھانے کی تیاری کرنے لگی۔صدف کی بہن صوبیہ کی دو بیٹیاں تھیں۔ مریم اور حورین،اتفاقاً آج حورین بھی گھر آئی ہوئی تھی۔(حورین شادی شدہ اور ایک بیٹی کی ماں ہے)بچے کھیل میں مصروف تھے۔

''پتہ میری مما! آن لائن مدرسہ میں پڑھتی ہیں''،وانیہ کی آواز آئی تو مریم باہر آ کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

وانیہ صدف کی گیارہ سال کی بیٹی ہے۔

''بیٹا!میری مما بھی واٹس ایپ پر پڑھتی ہیں''۔ پانچ سالہ فجر نے مزے سے کہا۔مریم بھانجی کی بات سن کر ہنس دی۔

''اچھا!کیا پڑھتی ہیں؟ آپ دونوں کی مما!! مجھے بھی بتاؤ!'' مریم نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے پوچھا۔

''میری مما ختم نبوت کا کورس کر رہی ہیں'' وانیہ نے سنجیدگی سے بتایا۔ابرش بہن کی بات غور سے سننے لگی۔

''میری مما بھی پڑھتی ہیں جو وانیہ خالہ نے بولا ہے۔''فجر نے زور وشور سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''مما کہتی ہیں، ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں'' فجر نے جلدی جلدی بات مکمل کی اور تائیدی انداز میں اپنی خالہ کو دیکھا۔

''شاباش!فجر کو تو پتہ ہے بھئی واہ!''



عبدالرحیم

مریم نے فجر کی حوصلہ افزائی کی ۔فجر کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ آئی۔

''ہمیں بھی بتائیں آپی! اس کورس کے بارے میں؟'' وانیہ نے پوچھا۔

مریم نے اثبات میں سر ہلایا اور تسلی سے بچوں کے پاس بیٹھ گئی۔

''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہ تو آپ کو پتہ ہے۔'' مریم نے بچوں کو دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی جو محبت سے بیٹھے سن رہے تھے۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مفہوم ہے:

''میں ہی آخری نبی ہوں''

یہ ختم نبوت کی تعریف اور دلیل ہے اور جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ بدترین کافر ہے۔

ہمارے نبی ﷺ کے دور میں اور اُن کے وصال کے بعد بھی کئی جاہل، عقل وفہم سے گئے گزرے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بہت ہی عبرت ناک موت حاصل ہوئی۔

صحابہ کرام ،اولیاء کرام اور علماء کرام نے ہر دور میں ختم نبوت کے لیے جنگ کی ہے۔ہمیں بھی اپنے نبی سے محبت اور عقیدت ہے تو ہمیں بھی ختم نبوت کا کام کرنا ہے۔''

''آپی! مما کہتی ہیں کہ جو یہ کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بن جاتا ہے؟'' وانیہ نے سوال کیا۔

''ہاں بالکل!'' مریم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''ختم نبوت کی پہرے داری کے لیے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو چنتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔ہمیں بھی یہ نیت کرنی ہے اور دوسروں کو بھی یہ ترغیب دینی ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے ہر ہر قربانی دیں گے۔ اپنی جان ،مال،اولاد اگر ختم نبوت کے تحفظ کے لیے لگانی پڑیں تو لگا دیں گے۔'' مریم نے بچوں کو جوش دلاتے ہوئے عہد لینا چاہا۔

''فجر! وانیہ! آپ دونوں بھی ختم نبوت کا کام کرو گی ناں؟'' مریم نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''جی خالہ!'' فجر نے جوش سے کہا۔

''جی آپی! ان شاء اللہ میں بھی ختم نبوت کی پہرے داری کے لیے کام کرونگی اور مما کی طرح پڑھوں گی۔'' وانیہ نے جوش وجذبے اور عقیدت سے کہا۔

''شاباش! اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو قبول فرمائے۔آمین''

''آمین!'' دونوں بچیوں نے بھی کہا۔

''مریم کھانا لگا دو بھئی'' صوبیہ نے آواز لگائی۔

''ہاں امی لگاتی ہوں بس'' مریم نے کہا۔

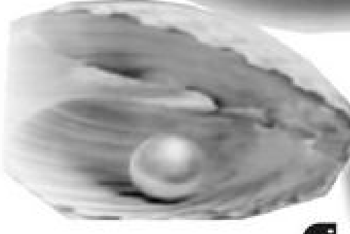
مریم نے فجر ،وانیہ کو پیار کیا اور طمانیت سے مسکراتی ہوئی کھانا لگانے چلی گئی۔

''ہم دونوں اپنی کلاس میں بھی ختم نبوت کے بارے میں بتائیں گے۔''

بچیوں نے بھی عہد کیا اور کھیل کود میں مصروف ہوگئیں۔۔۔۔



شانِ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا



دانیال حسن چغتائی

آج جمعہ ہے اور سب بچے نانی اماں کے پاس مقررہ وقت پر جمع ہو چکے ہیں۔ ابتدائی باتوں کے بعد نانی اماں نے پوچھا۔

''ہاں بھئی بچو! امید ہے تمہیں پچھلی نشست کا اختتام یاد ہوگا۔ ہم امہات المومنین کے سلسلے کو پڑھ رہے ہیں اور اب ہم ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے بارے میں جانیں گے۔''

سب بچوں نے پرجوش ہو کر جواب دیا۔

''جی ہاں! ہم تیار ہیں۔''

تو نانی اماں نے بولنا شروع کیا۔

''تو سنو! آپؓ کا نام ہند، ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

آپؓ کی والدہ بنو فراس سے تھیں اور ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل الطعان ابن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ، ابو امیہ (ام سلمہ کے والد) مکہ کے مشہور مخیر اور فیاض تھے۔

سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے۔ اسی لیے ''زاد الراکب'' کے لقب سے مشہور تھے۔ ام سلمہ نے انہی کی آغوش تربیت میں نہایت ناز و نعمت سے پرورش پائی۔

''ہاں نائلہ! اب آگے تم بتاؤ گی کہ ام المومنینؓ کا حلیہ کیسا تھا؟''

نائلہ نے بولنا شروع کیا۔

''واہ سبحان اللہ! کیا خوب نقشہ کھینچا ہے، اب آگے چلو!

اصابہ میں ہے، ام سلمہؓ نہایت حسین تھیں۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ جب عائشہؓ کو ان کے حسن کا حال معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں۔

ام سلمہ ؓ کے بال نہایت گھنے تھے۔خود بھی نہایت حسین و جمیل تھیں۔‘‘

’’عائشہ! یہ بتائیں حضرت ام سلمہ ؓ کا پہلا نکاح کس کے ساتھ ہوا؟‘‘......

عائشہ بولی۔

’’عبد اللہ بن عبد الاسد سے جو زیادہ تر ابو سلمہ ؓ کے نام سے مشہور ہیں اور جو ام سلمہ ؓ کے چچا زاد بھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، سے آپ ؓ کا پہلا نکاح ہوا۔‘‘

’’عفان! یہ بتائیں ام سلمہ ؓ نے اسلام کب قبول کیا؟‘‘......

عفان بولنا شروع ہوا۔

’’اللہ نے جب اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا تو اس وقت عرب کی حالت بڑی خراب اور خستہ تھی۔ ہر طرف کفر و شرک کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔گناہوں کا بازار گرم تھا۔ایک معبودِ برحق کی بجائے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے نہ جانے کتنے باطل خداؤں کی لوگ عبادت کرتے تھے۔بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا لوگ بہادری کی علامت تصور کرتے تھے۔شراب نوشی، قمار بازی اور طرح طرح کی برائیوں میں عرب کا پورا معاشرہ جکڑا ہوا تھا۔

ایسے تاریک ماحول میں اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام و ایمان کی روشنی بکھیرنے کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ کفر و شرک کی ظلمتوں میں وحدانیت و رسالت کا نور لوگوں کے دلوں کو روشن و منور کر دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد جہاں کفر و شرک کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہوا وہیں نیک اور سعید فطرت انسانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام توحید و رسالت کو دل و جان سے قبول کر لیا اور اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں اس طرح دے دیا کہ اسلام کے لیے انہوں نے ہر ستم گوارا کر لیا یہاں تک کہ اسلام کے لیے ان میں سے سینکڑوں نیک انسانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ بھی قربان کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ابھی صرف دس افراد نے ہی قبول کیا تھا۔ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم دارِ اَرقم میں تشریف فرما تھے اور چند ایک دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔اسی دوران عبد اللہ بن عبد الاسد جو زیادہ تر ابو سلمہ ؓ کے نام سے مشہور تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے حاضر ہوئے۔ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند (ام سلمہ) بھی تھیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی کو ان کی بیوی کے ساتھ دیکھا تو بے حد خوش ہوئے اور فرمایا:

’’کیسے آئے ہو؟‘‘

اور پھر محبت سے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے قرآنِ مجید پڑھ کر سنایا۔

قرآن مجید سننے کے بعد حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد نے کہا۔

''بھائی کے رشتے سے میرا بھی یہ حق بنتا ہے کہ مَیں بھی اس روشنی سے اپنی روح کو منور کروں جس سے دوسرے فیض حاصل کر رہے ہیں'' جب یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا، حضرت ابوسلمہ نے دوبارہ عرض کی۔

''ہم دونوں میاں بیوی کو مسلمان کر کے اپنی غلامی میں داخل کر لیجیے!'' اس طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نے اسلام قبول کیا اور ایسی سعادت حاصل کی کہ یہ دونوں میاں بیوی دس کے بعد گیارہویں اسلام قبول کرنے والے کہلائے۔''

''احمد علی! تم ہمیں ام المومنین کی ہجرت کے بارے میں بتاؤ!''

احمد علی گویا ہوا۔

''آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (ام سلمہ کے) قبیلہ نے مزاحمت کی تھی۔ اس لیے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور یہ اپنے گھر واپس آ گئیں تھیں (ادھر سلمہ کو ابو سلمہ کے خاندان والے ام سلمہ سے چھین لے گئے) اس لیے ام سلمہ کو اور بھی تکلیف تھی، چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتیں۔ سات آٹھ دن تک یہی حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ ایک دن ابطح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا۔

اور ام سلمہ کو روتے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا گھر آ کر لوگوں سے کہا کہ ''اس غریب پر ظلم کیوں کرتے ہو، اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اس کے حوالے کر دو!'' روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لیکر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا، چونکہ وہ بالکل تنہا تھیں، یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا، تنعیم کے مقام میں عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) کی نظر پڑی۔

پوچھا: ''کدھر کا قصد ہے؟''

کہا: ''مدینے کا''۔

پوچھا: ''کوئی ساتھ بھی ہے۔''

کہا: ''خدا اور یہ بچہ''

عثمان نے کہا: ''یہ نہیں ہو سکتا تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں''

یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ

کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا اور ام سلمہ اتر پڑتیں۔ روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر پرے ہٹ جاتا اور ام سلمہ سے کہتا کہ ”سوار ہو جاؤ“ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا۔

غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا، قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولا۔

”اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ یہیں مقیم ہیں“......

یہ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔ قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا اور ام سلمہؓ مجبوراً خاموش ہوتی تھیں، لیکن جب کچھ لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ وہ واقعی ابوامیہ کی بیٹی ہیں، ابوامیہ قریش کے چونکہ نہایت مشہور اور معزز شخص تھے، اس لیے ام سلمہؓ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔“

”حسان! یہ بتاؤ! ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا نبی کریم ﷺ سے نکاح کب ہوا؟“

حسان بولا۔

”ام المومنین کو کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، ابوسلمہؓ بڑے شہ سوار تھے، بدر اور احد میں شریک ہوئے، غزوہ احد میں چند زخم کھائے، جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی 4ھ میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔

ام سلمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں کہرام مچا تھا، ام سلمہ کہتی تھیں۔

”ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”صبر کرو! ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور یہ کہو کہ خداوندا! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر!“

اس کے بعد ابوسلمہؓ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام کے ساتھ پڑھائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا، یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔

وفات کے وقت ابوسلمہ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی۔

ابوسلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد عدت گذر گئی تو ابوبکر صدیقؓ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن ام سلمہؓ نے انکار کر دیا، ان کے بعد عمر فاروقؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لے کر پہنچے، ام سلمہ نے کہا۔

مجھے چند عذر ہیں، میں سخت غیور ہوں، صاحب عیال ہوں، میری عمر زیادہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان عذروں کو گوارا فرمایا، ام سلمہؓ کو اب عذر کیا ہوسکتا تھا؟

اپنے لڑکے سے (جن کا نام عمر تھا) کہا اٹھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرا نکاح کراؤ!

شوال 4ھ کی اخیر تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی۔ام سلمہؓ کو ابو سلمہؓ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا، خداوند تعالیٰ نے اس کو ابدی مسرت میں تبدیل کر دیا۔

سنن ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں:......

"جب ابو سلمہ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے تو میں نے دعا شروع کی اور جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابو سلمہؓ سے بہتر کون مل سکتا ہے لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابو سلمہؓ کے جانشین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دو چکیاں، گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی، عنایت فرمایا، یہی سامان دیگر بیبیوں کو بھی عنایت ہوا تھا۔

بہت حیادار تھیں، ابتدا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان پر تشریف لاتے تو ام سلمہ فرط غیرت سے لڑکی (زینب) کو گود میں بٹھا لیتیں، آپ یہ دیکھ کر واپس لوٹ جاتے۔عمار بن یاسر کو جو ام سلمہ کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین لے گئے۔

لیکن بعد میں یہ بات ختم ہوگئی اور جس طرح دوسری بیویاں رہتی تھیں وہ بھی رہنے لگیں، نکاح سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہؓ سے ان کا ذکر کیا تو عائشہؓ کو بڑا رشک ہوا۔

"عمار! تم ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

عمار نے بولنا شروع کیا۔

"ام سلمہؓ کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں، غزوہ خندق میں اگرچہ وہ شریک نہ تھیں، تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سنتی تھیں فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ ﷺ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعتہً عمار بن یاسر پر نظر پڑی، فرمایا:......

(افسوس) ابن سمیہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔تو ان کو جنت کی طرف بلائے گا، وہ گروہ جہنم کی طرف بلانے والا ہوگا۔

سن سولہ ہجری میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے پیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ و اقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں، اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔

عبد اللہ بن ام مکتومؓ قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی کے مؤذن تھے اور

چونکہ نابینا تھے، اس لیے ازواج مطہرات کے حجروں میں آیا کرتے تھے۔

ایک دن آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہؓ اور میمونہؓ سے فرمایا، ان سے پردہ کرو! وہ بولیں، وہ تو نابینا ہیں۔ فرمایا، تم تو نابینا نہیں ہو، تم تو انہیں دیکھتی ہو۔

صلح حدیبیہ کے وقت ام سلمہؓ کا خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا۔

علمی حیثیت میں اگرچہ تمام ازواج بلند مرتبہ تھیں، تاہم عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا ان میں کوئی جواب نہیں تھا۔ مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور علانیہ کہتا تھا:

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں“

ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے۔ تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے علم کے سامنے سر جھکاتا تھا۔ قرآن اچھا پڑھتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیونکر قرأت کرتے تھے؟ بولیں، ایک ایک آیت الگ الگ کرکے پڑھتے تھے۔ اس کے بعد خود پڑھ کر بتلا دیا۔

حدیث میں عائشہؓ کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ ان سے 378 روایتیں مروی ہیں۔ اس بنا پر وہ محدثین صحابہ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔“

”تحریم! ام المومنینؓ کے اخلاق و فضائل کیسے تھے؟“......

تحریم بولی۔

”ام سلمہؓ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔

ہر مہینے میں تین دن (دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں۔ ثواب کی متلاشی رہتیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں۔ اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوچھا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب بھی ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں۔ آیت ”تطہیر“ انہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں، نماز کے اوقات میں بعض امرا نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو ام سلمہ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔

فیاض تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں۔ ایک دفعہ عبد الرحمن بن عوف

نے آ کر کہا......

اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے۔

فرمایا، بیٹا! اس کو خرچ کرو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں کہ جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر نہ دیکھیں گے۔

ایک مرتبہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں، حضرت جبرائیل آئے اور باتیں کرتے رہے، ان کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا: اِن کو جانتی ہو؟......

بولیں، دحیہ کلبی تھے لیکن جب آپ ﷺ نے اس واقعہ کو اور لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔"

"شاباش بچو! تو سنو!......

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی 63ھ) اسی سال 10 محرم کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔

اس وقت 84 برس عمر تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا۔

اللہ رب العزت کی ان پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔ آمین......

ضروری اعلان

اطلاع کی جاتی ہے کہ مسلمان بچے خریدنے کے لیے آنلائن پیمنٹ کا طریقۂ کار فی الحال عارضی طور پر بند کر دیا گیا ہے۔ برائے مہربانی اشتہار میں دیئے گئے نمبر پر ہرگز پیسے نہ بھیجیں۔

انشاء اللہ مسلمان بچے کی آنلائن ترسیل کا نظم بہت جلد بہتر کر کے اطلاع کر دی جائے گی۔

بشکریہ ادارہ



نظر کا مجرم

محمد عثمان ارشار



"پتا نہیں! وہ کب آئے گی؟ کب سے کھڑا اس کا انتظار کر رہا ہوں کہ وہ نظر آئے تو میں بھی گھر جانے کی راہ لوں" حذیفہ نے کہا۔

"حذیفہ! وہ غیر محرم ہے، تم اسے روزانہ کالج سے چھٹی ہونے کے بعد دیکھتے ہو...؟ اور وہ تو تمہاری طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی" علی نے کہا۔

"جاؤ......جاؤ......جاؤ.....!

یہاں میرے ساتھ کھڑا ہونا ہے تو بعد نمازِ عصر والا امام صاحب کی طرح درس دینا بند کرو اور منہ پر ٹیپ لگا کر کھڑے رہو، ورنہ چلے جاؤ!" حذیفہ نے کہا۔

"نمازِ عصر کے وقت ملاقات ہو گی، ٹھیک ہے حذیفہ؟"

علی، حذیفہ سے مصافحہ کرتے ہوئے رخصت ہوگیا مگر حذیفہ وہی "نظر کا مجرم" بننے کے لیے کھڑا رہا۔

درحقیقت حذیفہ اور علی دونوں دوست اور ہم جماعت ہیں۔ ان کی دوستی کا آغاز قریباً تین سال قبل ہوا تھا۔ علی حافظ قرآن جبکہ حذیفہ ناظرہ پڑھنے کے قابل بھی نہ تھا۔ حذیفہ امیر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور علی اوسط گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔

فرق صرف اتنا تھا کہ علی نمازِ عصر کے بعد ہونے والے امام صاحب کے درس میں مجبوری سے شرکت کرتا، ویسے بھی حذیفہ نے علی کے ساتھ اسی وقت کھیلنا ہوتا تھا۔ اسی لیے حذیفہ کا نماز اور درس میں شرکت کرنا لازمی ہوگیا تھا۔

علی درس سے مکمل طور پر فیض یاب ہو کر اس پر عمل پیرا ہوتا جبکہ حذیفہ صرف سننے کی حد تک وہاں موجود رہتا تھا۔ بے شک کہ دونوں درس میں شریک ہوتے تھے۔

علی نے اپنے دوست کی اصلاح کرنے کا سوچا کرتا تھا کہ کاش! اب بھی وہ سیدھے راستے پر گامزن ہو جائے اور پھر اچانک سے اس شعر کا نزول اس کے ذہن میں ہوا:

آدھی سے زیادہ شب غم کاٹ چکا ہوں
اب بھی اگر آ جاؤ تو یہ رات بڑی ہے

اور ساتھ ہی یہ اگلا شعر اس کے ذہن میں آیا:

نشہ پلا کے گرانہ تو سب کو آتا ہے
مزا تو تب ہے کہ گرتے کو تھام لے ساقی

علی راسخ ارادہ کر چکا تھا کہ وہ حذیفہ کو بذریعہ مدد خدا بدنظری جیسے جرم سے آزاد کروائے گا۔ اس نے ایک ترکیب بنائی۔

علی نمازِ ظہر کے لیے گیا اور نمازِ ظہر سے فارغ ہونے کے بعد اس نے بدنظری جیسے جرم کے بارے میں امام صاحب سے دریافت کیا تو امام صاحب نے وعدہ کرلیا کہ آج میں درس میں بدنظری جیسے جرم سے بچنے کے لیے ایک واقعہ سناؤں گا جس میں نظر کی حفاظت نہ کرنے پر وہ اپنی وہ دنیا و آخرت برباد کر بیٹھتا ہے۔

علی خوشی خوشی اپنے گھر واپس آگیا۔

نمازِ عصر کا وقت ہونے میں صرف چند منٹ باقی تھے کہ علی، حذیفہ کو نماز کی ادائیگی کے لیے اس کے گھر آیا۔

حذیفہ گھر کے باہر ہی کھڑا تھا۔

علی نے سلام کیا اور کہا کہ آؤ نماز پڑھنے چلیں مگر حذیفہ نے آج انکار کیا تو علی نے اس شعر کے ساتھ دوبارہ اسے نماز کی ادائیگی کی دعوت دی۔

خدا کو مل کر منائیں چلو نماز پڑھیں
اذان سب کو بلائے چلو نماز پڑھیں
نمازیوں کو ملی دو جہاں کی خوشی
نماز سے رب کو منائیں چلو نماز پڑھیں
خدا سے ہر وقت مانگنا ہے ہمیں
بہانہ اب نہ بنائیں چلو نماز پڑھیں

یہ سنتے ہی علی راضی ہوگیا اور دونوں دوست مسجد کی طرف روانہ ہوگئے۔

نمازِ عصر کی ادائیگی مکمل ہوگئی اور اب درس کا وقت شروع ہوا۔ امام صاحب نے مختصر حمد و ثنا کے بعد اپنا سلسلہ کلام کا آغاز یہاں سے کیا:

ایک آدمی ایک مسجد میں چالیس سال سے

اذان دے رہا تھا۔ وہ نیکی کی ایک زندہ مثال تھا۔ اس کے چہرے پر عبادت اور اطاعت کا نور چمکتا تھا۔ وہ ہر روز مینار پر چڑھ کر اذان دیتا۔ مسجد کے مینار کے نیچے پڑوس میں ایک آدمی کا گھر تھا، ایک دن اسکے گھر پر اس کی نظر پڑ گئی، وہاں اس نے گھر والے کی بیٹی کو دیکھا تو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے اذان چھوڑ دی، مینار سے نیچے اترا اور اس کے گھر چلا گیا۔

’’آپ کیا چاہتے ہیں؟‘‘ اس نے کہا۔

’’تم کو چاہتا ہوں‘‘ اس نے جواب دیا۔

’’کیوں؟‘‘ اس نے پوچھا۔

’’تمہارے حسن نے میری عقل سلب کر لی ہے اور دل پر قبضہ جما لیا ہے‘‘ مؤذن نے جواب دیا۔

’’میں تمہاری شہوت پوری کر کے اپنی پاک دامنی تار تار نہیں کر سکتی‘‘ اس لڑکی نے کہا۔

’’میں تمہارے ساتھ شادی کر لیتا ہوں‘‘ مؤذن نے کہا۔

’’تم مسلمان ہو اور میں عیسائی۔ میرا باپ تو کبھی تمہارے ساتھ میری شادی نہیں کرے گا‘‘ لڑکی نے جواب دیا۔

’’میں عیسائی ہو جاتا ہوں‘‘ مؤذن نے کہا۔

’’اگر تم ایسا کرو گے تو پھر یہ ممکن ہے‘‘

وہ اس کے ساتھ شادی کرنے کی خاطر عیسائی ہو گیا اور اس کے ساتھ گھر میں رہنے لگا، شب عروسی کو وہ چھت پر چڑھا، وہاں اس کا پاؤں پھسلا وہ نیچے گرا اور گرتے ہی مر گیا۔

(بحوالہ: تلبیس الابلیس، امام ابن جوزی)

اس پر امام صاحب نے کہا۔

’’دیکھا کیا ہوا۔ وہ اس لڑکی کے حسن سے لطف اندوز ہی نہ ہو سکا اور نہ ہی اپنا دین بچا سکا۔‘‘

اب امام صاحب نے کہا۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اب امام صاحب نے کلام کا اختتام کیا۔

حذیفہ پانی پانی ہو چکا تھا اور رو بھی رہا تھا اور ساتھ ہی بیٹھے اپنے دوست سے کہا۔

’’علی!!! آئندہ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا‘‘ حذیفہ نے کہا۔

علی خوش ہوا، علی اپنے دوست کی اصلاح کے مشن میں کامیاب ہو چکا تھا، پھر دونوں کھڑے ہوئے۔

علی نے الحمدللہ کہتے ہوئے امام صاحب سے مصافحہ کیا پھر حذیفہ نے مصافحہ کیا۔

اب دونوں مسجد سے باہر کی جانب روانہ ہو گئے۔

ہائے دوسرا راؤنڈ

موٹر سائیکل ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی، کئی گاڑیاں پیچھے رہ گئیں تھیں اور بہت ساری آگے بھاگ رہی تھیں۔ مان موٹر سائیکل کی رفتار کو مزید بڑھانے کے لیے سوجتن کر رہا تھا مگر رفتار مزید بڑھنے کا نام نہیں ہی لے رہی تھی، اس کے برعکس موٹر سائیکل سے مختلف قسم کی آوازیں آنا شروع ہوگئی تھیں۔

”مان صاب! دھیرے چلاؤ ورنہ کوئی مسئلہ بن جائے گا موٹر سائیکل کو بھی اور ہمیں بھی۔“

”تجھے مسئلہ کیا ہے؟

آہ وفغاں کر کے تو موٹر سائیکل ملی ہے وہ بھی پورے دو ماہ بعد اور اب تو کہہ رہا ہے کہ آہستہ چلاؤں؟ یعنی تو چاہتا ہے کہ میرے ارمان پورے نہ ہوں بلکہ ٹینکی میں پڑے پٹرول کی طرح زنگ آلود ہو جائیں؟ چپ رہ! ناہنجار! مجھے مشورے نہ دے!“

پیچھے بیٹھے مان کے چھوٹے بھائی اسد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر موٹر سائیکل آہستہ چلانے کا کہا تو مان بھڑک اٹھا اور کندھے کو جھٹکا دے کر چھڑاتے ہوئے اسے چند جلی کٹی سنا کر دوبارہ رفتار مزید بڑھانے کے لیے سوجتن کرنے لگا۔

”بھائی! ویسے پٹرول کو بھی زنگ لگ جاتا ہے کیا؟“......

”ابے یہ تجھے کس پٹھے کے الو نے کہہ دیا ہے؟“



ایم تجمل بیگ

’’بھائی! پٹھے کے الو نہیں بلکہ الو کے پٹھے.....‘‘
’’اوہو! ایک ہی بات ہوتی ہے بس پٹھے کو ہی تو آگے پیچھے کیا ہے۔‘‘
’’بھائی! لیکن پٹھے کو آگے پیچھے کرنے سے بھی بہت تکلیف ہوتی ہے۔ یاد کرو! اماں کو بھی پٹھوں کا ہی مسئلہ ہے کیسے تڑپتی ہیں وہ؟‘‘
’’ابے! تو زبان لڑائے گا اب مان صاب سے کیا؟‘‘......
’’نہیں میرے پاس مرغے ہیں، مان صاااااب!‘‘ اسد نے صاب کو کھینچتے ہوئے کہا۔
’’دیکھ مسخرے! تیری وجہ سے بات کہاں سے کہاں نکل گئی ہے۔ بتا تجھے یہ کس الو کے پٹھے نے کہا تھا؟‘‘
’’کیا؟‘‘
’’وہی کہ...‘‘
’’کیا وہی کہ.....‘‘
اسد نے پھر بات درمیان میں ٹوکتے ہوئے کہا....
’’او بدتمیز بندر کے خالو.......!‘‘
’’نہیں، نہیں یہ آج تک کسی نے نہیں کہا مجھے، یقین کریں مان صاب۔‘‘
اسد نے مان کی بات درمیان میں ہی ٹوک دی۔
’’چھوٹے! اب میری بات نہ ٹوکنا جب میں کہوں تو پھر بولنا تم۔‘‘ مان نے غصے سے نتھنے پھیلاتے ہوئے کہا۔
’’جی بہتر!‘‘......

’’تجھے یہ کس نے کہا تھا کہ پٹرول کو زنگ لگ جاتا ہے۔‘‘
مان نے یہ کہہ کر موٹر سائیکل کی رفتار بھی ذرا کم کر لی تھی۔......
پانچ منٹ گزرنے کے بعد بھی پیچھے سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔
’’ابے! کیوں بہرے مرغے کی طرح گونگا بنا بیٹھا ہے کوئی جواب بھی دے۔‘‘
مان نے ذرا سے پیچھے کو ہٹ کر اسے کہنی سے ہلاتے ہوئے کہا۔
’’حکمِ حاکم مرگ مفاجات‘‘
اسد اتنی بات کہہ کر پھر خاموش ہوگیا۔
’’ابے! کیا اول فول بک رہا ہے؟ میری بات کا جواب دے۔‘‘
’’یار! تم نے ہی تو کہا تھا کہ جب تک میں نہ کہوں تب تک تم نے بولنا نہیں ہے۔ لہذا میں اب تک آپ کی جانب سے بولنے کی اجازت کے انتظار میں ہوں۔‘‘
’’واہ یار! تو تو پالتو جانوروں کی طرح فرمانبردار نکلا۔‘‘......
اسد چپ ہوا تو مان نے فوراً موٹر سائیکل روک کر ایک طرف کھڑی کی اور اتر کر اسد کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔
’’بھائی! پالتو جانور وفادار ہوتے ہیں؟؟ فرمانبردار تو تمہارے منہ سے ہی سن رہا ہوں۔‘‘
’’چل! اس کو چھوڑ تو یہ بتا کس نا ہنجار اور عقل

سے پیدل بے وقوف نے یہ کہا تھا کہ پٹرول کو زنگ لگ جاتا ہے؟''

''ابے! بول اب!''

اس نے اسد کو دوبارہ خاموش دیکھ کر ہلکی سی چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

''عقل سے پیدل، بے وقوف، مہان بے ایمان، چندرے حیوان، بدبخت انسان اور ابلیس سے تھوڑے چھوٹے شیطان یعنی مان نے یہ بات کہی تھی۔''

''ہیں ہیں...... یہ کب کس نے اور کہاں یعنی میں نے کہی تھی؟

یعنی چندرہ، بے ایمان، بدبخت وغیرہ سب کچھ میں ہوں ابے رک تو........! بڑے بھائی کو قبیح القابات دیتا ہے رک تیری تو......!''

یہ کہہ کر مان نے موٹر سائیکل بغیر سہارے کے وہیں چھوڑی جو دھڑم کر کے نیچے گری اور بھاگ کر اسد کو پکڑنا چاہا لیکن وہ چکمہ دے کر ایک طرف بھاگ نکلا۔

اب حالت یہ تھی کہ اسد آگے آگے اور مان اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ شارع عام پر وہ بھاگتے ہوئے وہ دونوں لڑاکے مرغوں کی طرح لگ رہے تھے۔ مان مغلظات بک رہا تھا اور اسد ان مغلظات پر ہلکا سا طنز کر کے مان کو مزید بھڑکا رہا تھا۔ مان بیچارا اپنے بھاری وجود کی وجہ سے جلد ہی تھک گیا اور فٹ پاتھ پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

اس نے دور بیٹھ کر موٹر سائیکل کو دیکھا تو وہ گری پڑی تھی اور اس پر ایک لڑکا جھکا ہوا تھا۔ مان نے پھولے ہوئے سانس کو اندر کھینچ کر آنکھیں مسلیں اور دوبارہ ادھر دیکھا تو سارا معاملہ سمجھ گیا۔ وہ لڑکا موٹر سائیکل کے حفاظتی ڈنڈے سے خوردو نوش اشیا اتار رہا تھا۔

مان نے دوبارہ اٹھ کر موٹر سائیکل کی طرف دوڑ لگا دی۔

موٹر سائیکل سے ابھی 20 میٹر کی دوری پر ہی تھا کہ لڑکا اسے دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے قریب جا کر دیکھا تو کھانے پینے کی تمام اشیاء غائب تھیں اور فقط ایک مٹھائی کا ڈبہ لٹک رہا تھا۔

وہ سر تھام کر وہیں نیچے گری موٹر سائیکل کے قریب دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا اور سینہ کوبی کرتے ہوئے آہیں بھرنے لگا۔

نیچے بیٹھتے وقت اس نے اپنے کاٹن کے سفید سوٹ کا بھی خیال نہیں کیا جو اس نے آج صبح ہی پون گھنٹہ مار کھانے کے بعد ضد کر کے پہنا تھا۔

سینہ کوبی زور و شور سے جاری تھی کہ قریب سے کچھ شریر لڑکوں کی ٹولی گزری تو ان میں سے ایک نے پھبتی کستے ہوئے کہا۔

''کیوں کیا ہوا؟ موٹر سائیکل کو طلاق ہو گئی ہے جو بین کر رہے ہو؟''

دوسرا فوراً بولا۔

''نہیں یار طلاق نہیں ہوئی بلکہ اس موٹر سائیکل کی ساس انتقال کر گئی ہے اس لیے یہ واویلا جاری ہے۔''

سب کے قہقہے چھوٹ گئے تیسرا پھبتی کسنے لگا ہی تھا کہ اسد بھی پہنچ گیا۔ اسد نے ماں کو اور موٹر سائیکل کو اٹھایا اور لڑکوں سے التجا کر کے انہیں رستہ دکھایا۔

''ماں صاب! بیٹھو میں چلاتا ہوں۔'' اس نے ماں کو بازو سے پکڑ کر موٹر سائیکل کے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں اب میں گھر نہیں جاؤں گا۔''

ماں یہ کہہ کر دوبارہ ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''کیوں ماں صاب خیریت؟''

سب کچھ تو وہ چغد اتار کر لے گیا اور مہمان گھر میں بیٹھے لوازمات کا انتظار کر رہے ہوں گے اور اب اگر میں گھر گیا تو اماں.......توبہ توبہ میں تو نہیں جاؤں گا ہرگز نہیں جاؤں گا۔''

ماں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''یار ماں! کچھ نہیں ہوتا تم بیٹھو تو...! یہ مٹھائی کا ڈبہ ہمارے پاس ہے یہی کافی ہو جائے گا مہمانوں کے لیے۔

''لیکن چھوٹے! اماں ڈبل راؤنڈ ضرور لگائے گی میرا۔

''اچھا پہلا کب لگا تھا؟''

اسد نے حیرانی سے پوچھا۔

''ابھی صبح ہی جب تو سکول چلا گیا تھا تب۔''

ماں نے کالر اچکاتے ہوئے بڑے فخریہ انداز سے کہا۔

''اچھا!!!!! کتنی دیر کا تھا؟''

اسد نے بمشکل ہنسی روکتے ہوئے اچھا کو کھینچ کر پوچھا۔

''صرف پون گھنٹے کا تھا۔''

اب کی بار ماں نے اپنی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

''چلو بیٹھو تو! کچھ نہیں ہو گا میں کہہ جو رہا ہوں''

اسد نے اس کو زبردستی کھینچ کر قریب کرتے ہوئے کہا......

لیکن وہ کسی طور بھی ماں ہی نہیں رہا تھا۔

آخر اسد نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور یہ کہتا ہوا تھوڑی سی آگے بڑھا لے گیا کہ میں ابھی اماں کو بلا کر لاتا ہوں یہیں۔ پھر دیکھ سارے جہاں کے سامنے تیرا کیا حشر ہوتا ہے۔

اس نے یہ بات سنی تو فوراً اسد کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا اور جلدی جلدی موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔

اسد ہلکا سا مسکرا دیا اور پھر ماں کو کہنے لگا کہ....

''ماں صاب تم دوسرے راؤنڈ کے لیے تیار ہو پھر؟''

ماں نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں کے سامنے جوتے، ڈنڈے اور چمٹے لہرانے لگے۔

ماں نے آنکھیں مسلیں اور روتے ہوئے ہلکی ہلکی آواز میں کہنے لگا۔

''ہائے! دوسرا راؤنڈ، ہائے! دوسرا راؤنڈ۔''

اسد نے گردن گھما کر ہلکی سی ایک نظر اس پر ڈالی اور موٹر سائیکل کی سپیڈ بڑھا کر گھر کے طرف لے گیا اور پیچھا بیٹھا ماں مسلسل ''ہائے دوسرا راؤنڈ ہائے دوسرا راؤنڈ'' کی رٹ لگائے ہوئے تھا۔

❀......❀......❀



وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارھابی

وہ عالم فاضل، حافظِ قرآن اور بدری صحابی ہیں۔ان کا تعلق قبیلہ بنو عبدالدار سے ہے۔

جب نبی کریم ﷺ دار بنی ارقم میں دعوت دِین کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے تو وہ بھی مشرف بااسلام ہوئے۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ شہزادوں جیسی زندگی بسر کرتے تھے لیکن اسلام کو اپنانے کے ساتھ ہی ان پہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ان کے گھر والوں نے ان پر بہت مظالم ڈھائے۔چنانچہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔پھر ہجرت مدینہ سے چار سال پہلے مکہ واپس آئے۔

یہ وہ صحابی رسول ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے دین کی تبلیغ کی اور اسلام کے پہلے مبلغ ہونے کا اعزاز پایا۔

آپ ؓ کی کوششوں سے سن تیرہ نبوی میں مدینہ طیبہ سے مردوں عورتوں کی ایک بڑی تعداد نے مکہ مکرمہ آکر حضور پاک ﷺ سے بیعت کی۔

ان کی بیوی حضور پاک ﷺ کی ایک زوجہ کی بہن تھیں یوں وہ نبی کریم ﷺ کے ہم زلف بھی ٹھہرے۔اس زوجہ سے ان کی ایک بیٹی زینب تھیں جو آپ ﷺ کی بھانجی قرار پائیں۔

ہجرت مدینہ کے بعد جو غزوات ہوئے، اس میں آپ ؓ نے نمایاں شرکت کی۔غزوہ بدر کے بعد احد میں بھی انہوں نے مہاجرین کی نمائندگی کی۔غزوہ احد میں جب نبی کریم ﷺ کی شہادت کی

افواہ پھیلی تو آپ ؓ بھر پور جوش میں آ گئے اور زوردار آواز میں نعرہ لگایا:

”میں اپنے نبی کریم ﷺ کا پرچم نہیں گرنے دوں گا۔“

غزوہ احد وہ غزوہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ آلِ عمران میں ساٹھ آیات نازل فرمائیں۔ اس عالی شان جہادی مہم میں وہ شجاعت سے ڈٹے رہے۔ وہ دیوانہ وار لڑتے رہے اور آخر کار شہادت سے سرفراز ہوئے۔

نوٹ: کیا آپ نے ان صحابی رسول ﷺ کو پہچانا؟ اپنا جواب جلدی ہی لکھ کر بھیج دیجیے!

وہ کون تھے شمارہ جمادی الاولیٰ کا درست جواب: حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ جمادی الثانی ۱۴۴۴ ہجری کے انعام یافتہ

محمد ابراہیم خلیل

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

یوسف بن طارق...... کراچی۔محمد امیر حمزہ...... فیصل آباد۔ہمشیرہ کریم بخش...... ٹنڈو آدم۔محمد شفیع اللہ...... بہاولپور...... محمد ابراہیم خلیل...... حیدرآباد۔دانیال حسن بن عبدالہادی...... کہروڑپکا۔بنت عبدالہادی...... کہروڑپکا۔بنت نور الہیٰ...... ٹنڈو آدم۔ہمشیرہ محمد عادل...... کراچی۔محمد عمر چغتائی...... کہروڑپکا۔عبدالمجید شاکر...... کہروڑپکا۔کفایت اللہ...... کہروڑپکا۔محمد اویس بشیر...... بہاولنگر۔بنت عادل...... بہاولپور۔تنور احمد...... ڈیری غازی خان۔حفصہ بنت کمال...... لودھراں



جہاں امام العقلاء، شاہ نبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

اگر آپ کو ملک کی باگ ڈور دی جائے تو سب سے پہلا کیا کام کریں گے اور اس کے بعد دوسرا کام؟

☆ **پہلا کام یہ کروں گا کہ باگ چھوڑ کر صرف ڈور سنبھالوں گا، دوسرا کام یہ کروں گا ڈور کو ڈبل کروں گا تاکہ ٹوٹ نہ جائے۔**

(محمد عثمان۔رحیم یار خان)

☆☆☆

محترم بوجھ بجھکڑ!!

سوال یہ ہے کہ جب آپ کو سارا نصاب پڑھتے ہوئے اسے ساتھ ساتھ یاد کرنے کی فکر نہیں ہوتی تو پھر پیپر سے دو دن پہلے کیوں شدید فکر لاحق ہوجاتی ہے؟؟؟

☆ **ایسا آپ کو ہوتا ہوگا آپ نے اتنے یقین سے کیسے کہہ دیا کہ مجھے ایسا ہوتا ہے؟**

(عائشہ ظفر۔چیچہ وطنی)

☆☆☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

سردی کے دنوں میں دانت کیوں بجتے ہیں؟

☆ **کیونکہ ہونٹ بج نہیں سکتے۔**

(بنت الیاس)

☆☆☆

محترم بوجھ بجھکڑ!!

سائنسدانوں کی نئی تحقیق کے مطابق موبائل کے زیادہ استعمال سے آنکھوں کی بینائی متاثر نہیں بلکہ کچھ زیادہ تیز ہو جاتی ہے، اس نئی تحقیق کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

☆سائنسدانوں کی ایسی تحقیقات کی عمر سیاستدانوں کے وعدوں کی عمر سے بھی کم ہوتی ہے۔

(ہمشیرہ نور احمد، سکھر)

☆☆☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

سردیوں میں نہانے کی خاص ترکیب بتائیں جس میں سانپ بھی مرجائے یعنی سردی بھی نہ لگے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے مطلب نہا بھی لیا جائے۔

☆سردی میں نہ نہایا کریں واش روم میں نہالیا کریں۔

(محمد حذیفہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

☆☆☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

بیٹھے بٹھائے اچانک پرانی قیمض کی جیب سے پیسے نکل آئیں تو خوشی کیسے مناتے ہیں؟

☆پیسے گننے سے خوشی روٹھ جاتی ہے کیا؟

(عمر خلیل، ٹنڈو جام)

☆☆☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے کا مطلب مجھے آج تک سمجھ نہیں آیا۔ آپ ہی سمجھا دیں۔

☆اولوں کے موسم میں سر منڈا کر سڑک پر کھڑے ہو جائیں مطلب سمجھ میں آجائے گا۔

(محمد کریم، راولپنڈی)

☆☆☆

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

آپ کی نظر میں سب سے بڑی خوبی اور سب سے بڑی خامی کیا ہے؟

☆میری نظر میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ الحمدللہ کام کر رہی ہے اور خامی یہ ہے کہ ذرا کمزور ہے۔

(کامران مغل)

فتنوں کی بارش

نبی کریم ﷺ مدینہ کے ایک بلند مکان پر چڑھے۔ پھر فرمایا، کیا تم لوگ بھی دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں کہ (عنقریب) تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح برس رہے ہوں گے جیسے بارش برستی ہے۔ (صحیح بخاری)

محمد بن جواد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمام قارئین کرام لکھاری حضرات اور قابلِ احترام مدیر صاحب حفظہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو، مختصر سے تبصرے کیساتھ حاضر خدمت ہیں نئے سال کا شمارہ اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ



افروز ہوا۔ اس بار اداریہ کافی لمبا تھا مگر خوب تھا، نئے سال کی مناسبت سے کچھ تبدیلیاں کی گئیں جو کہ اچھی لگیں، فہرست میں تقریباً آدھے سے زیادہ نئے لکھاری حضرات نے ہی جگہ بنا رکھی تھی، سرورق کہانی سوچ کا استاذ' منفرد اور خوبصورت موضوع پر لکھی گئی تحریر تھی، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

بھائی محمد فیصل ہمیشہ کی طرح اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے، نئے جوتے'' ''ابن دین محمد'' کی تحریر مختصر مگر بہترین تحریر تھی عبدالمجید شاکر کی تحریر بھی بہت پسند آئی، دانیال حسن صاحب کی تحریر بھی لاجواب تھی، اللہ تعالیٰ آپ سب کے قلم میں برکت دے۔ سبھی کی تحریریں شاندار تھیں، مگر سب سے بہترین تحریر ''محبت'' لگی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی محبت نصیب فرمائے آمین۔

''دانش کدہ'' ہمیشہ کی طرح اعلیٰ تھا آدھی ملاقات میں اس بار بھائی محمد فیصل علی، بھائی زبیر طے ب، عطائ السلام سحر صاحب جیسے بڑے

بڑے لوگوں نے رونق بخشی سبھی کے تبصرے خوب تھے، اللہ تعالیٰ اس رسالے کو مزید ترقیاں عطا فرمائے آمین اور آخر میں محترم مدیر صاحب نے بنات عائشہ کے لئے ایک کہانی'' ان مع العسر یسرا لکھی ہے جو کہ دو تین اقساط پر مشتمل ہے، ارادہ تو بنات عائشہ رضی اللہ عنہ میں بھیجنے کا تھا مگر واٹس ایپ جیسا مستند اور آسان ذریعہ نہیں ہے اسی لیے اگر تحریر قابل اشاعت ہو تو آپ مسلمان بچے میں شائع فرما کر دعاؤں سے اپنا دامن سمیٹیں اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ہاں بہترین جزائے خیر دے آمین (ان شاءاللہ)

والسلام.... تسلیمہ موسیٰ

☆ .... ☆ .... ☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

جمادی الثانی / جنوری کے شمارہ 184 پر ایک سرسری سا تبصرہ حاضر ہے۔

اس شمارے کی جس تحریر نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ابوشفاء کی تحریر ''محبت'' ہے ۔ اس نے غفلت میں ڈوبے ہوئے دل کو تڑپا کر رکھ دیا۔

اس کے علاوہ عثمان ارشاد کی'' سوچ کا استاد'' پراثر ،مدلل اور چٹخارے دار کہانی تھی ۔نئی نئی اور عجیب وغریب لیکن دلچسپ تراکیب ،ان کا ہی خاصہ ہے ۔ان کا انداز بیاں منفرد اور خوبصورت ہے ۔ان شاءاللہ بہت جلد وہ دنیائے ادب میں ایک غیر معمولی مقام حاصل کرلیں گے۔

حمد باری ذرا مشکل سی لگی لیکن اچھی تھی ۔نعت بھی بہت خوبصورت تھی ۔تجمل بیگ کی تحریر مزاحیہ اور مزے دار تھی ۔جس نے پاکستانی قوم کے سیاہ چہرے سے پردہ ہٹایا کہ ہم لوگ ہر مخلص اور محب وطن کو مصائب وتکالیف سے نوازتے ہیں ۔مثلاً ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور عافیہ صدیقی بقول شاعر:

سنگ باری یہاں شیشہ گری کی اجرت ہے کیسے
اس شہر میں آئینہ بنائے کوئی

محمد فیصل علی اور آپی میمونہ ارم مونشاہ کی تحریریں بھی شاندار تھیں ۔سیدہ ناجیہ شعیب کی کہانی '' جنگلستان'' جانوروں کی زبانی قیمتی اسباق دے رہی تھی ۔عبداللہ جاں نے بھی خوب ہنسایا ،ان کی دعا پر '' وایاکم'' کہتے ہیں ۔سب سے زیادہ مزے دار'' جان بچی لاکھوں پائے'' والا تھا ۔محترم ذوالفقار علی بھی'' سرفروش'' میں اقبال کے شاہینوں کا لہو گرما رہے تھے ۔تبھی تو کہانی میں شاعری فرما رہے تھے۔

محمد مستقیم کی سولفظی کہانی بھی مختصر مگر پراثر کہانی تھی ۔علاوہ ازیں فاطمہ ساجد ،سعد اعجاز ،عبدالمجید ،ابن دین محمد ،عمار حسین ،دانیال حسن حمیرا علیم ،عبدالحفیظ ، بنت مفتی ریاض حسین قاسمی، آپی ہانیہ، زوجہ محمد عباس ہمشیرہ بابر شہید، مجاہد بن محمد، بنت نور الہی، زید احمد زیدی، رئیس احمد، امینہ نور اور انعام اللہ سمیت سب نے خوب بلکہ خوب تر لکھا ۔اللھم زد فزد

آپی وُثقی کی دونوں تحریریں بہترین تھیں ۔"الوداع" جیسی دلچسپ تحریر کا قلم کار کے نام سے محروم رہنا ایک آنکھ نہیں بھایا۔

تمام مستقل سلسلے بھی پوری آب وتاب سے چمک رہے تھے۔سب کے لیے نیک خواہشات اوردعائیں!

میرے لیے بھی دعا کیجیے گا۔والسلام

محمد زبیر زائر

☆ .... ☆ .... ☆

السلام علیکم ورحمتہ اللہ !!!

امید ہے کہ تمام قارئین وقاریات،لکھاری ٹیم اور مدیر محترم ٹھیک ہوں گے...ان شاءاللہ..... دسمبر 2022 کا شمارہ مسلمان بچے سامنے ہے....سرورق دیدہ زیب تھا..... روئے زمین کی تینوں مقدس مساجد بھی کونے میں جگمگارہی تھیں......مشورہ ہے کہ مسجد اقصی پر بھی ہر ماہ تحاریر لکھی جائیں.....بہترین قلمکار غور فرمائیں..... سرورق پہ بے ساختہ جانباز کو ڈھونڈا لیکن پھر ایک نئے سلسلہ کی آس میں بیٹھ گئے....ممکن ہے بھائی زبیر طیب اک زبردست سی Entery کی تیاری میں ہوں....

رسالہ کھولنے کے بعد کچھ تلخ وشیریں باتیں پڑھیں.... باقی شکایات سے تو کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ادھوری ملاقات والے جواب پر کچھ حیرانی ہوئی... کیونکہ غالبا کچھ خطوط واقعی ہی جواب طلب تھے...خیر مدیر محترم کی مرضی...آپ نہ بھی جواب دیں گے تب بھی ہم سب اس رسالے سے آدھی ملاقات تو جاری ہی رکھیں گے....شاید خطوط لکھنے والوں کو اب مزید محنت وکوشش کی ضرورت ہے......

اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف......"ہماری جنت" بھائی فیصل کی والدین کی اطاعت و فرمانبرداری پر بہترین تحریر تھی...یہ وہ ایسا point تھا جسے معاشرے میں معمولی سمجھ کر نظر انداز کیا جارہا تھا.... اہم بات کی یاد دہانی کروانے پر شکریہ......عمر بن زبیر اور وثقی بنت زبیر کی تحریریں مختصر مگر پر اثر تھیں....."ہائے میرا پاؤں" بنت حوا کی تحریر نے مسکرانے پر مجبور کیا...اپنے بھی کچھ ایسے بہانے اور ڈرامے یاد آگئے....."مسکراہٹ کے پھول" عبداللہ بھائی نے دلچسپ قصوں کو جمع کیا...پڑھنے میں مزہ آیا...

اور میں بھی بھائی کی المرابطون کے توسط سے ملی ہوئی کتابوں میں سے مسکراتے زخم کو لے کر پڑھنے بیٹھ گئی....امیر محترم کی تمام تصانیف ہی قاری کو الگ مزہ دیتی ہیں.....

مرغیوں کی بندر بانٹ اور دیہاتی کی ذہانت پر کھلکھلاہٹ عروج پہ تھی......ہمشیرہ بابر شہید کی شاعری ہمیشہ کی طرح جہادی ولولوں سے لبریز تھی.....کمال کی شاعری کرتی ہیں.... بارک اللہ فیہ....آرٹ گیلری میں آجکل کچھ خاص مزہ نہیں آرہا...بہترین آرٹسٹ کہاں غائب ہیں؟.......

"شان حضرت زینب بنت خزیمہ" دانیال حسن کی ام المومنین کے بارے معلوماتی تحریر رہی....محمد مستقیم کی "سو لفظی کہانی" ہمیشہ کی طرح دلچسپ اور مفید تھی......"غازی علم الدین سے غازی عامر چیمہ شہید تک" ناموس محمد پر جان قربان کرنے والوں کے عزم و استقلال کی داستان تھی......"مغرور چیونٹی" لالچ کے نتائج بد کو واضح کر رہی تھی......محمد بن طلحہ السیف کی "علم کی معراج" تحریر اسلاف کی علم حصول کی خاطر کوششوں پر مبنی شاندار تحریر تھی.... کتاب بہترین ساتھی ہے..... باذوق لوگ مطالعہ سے بہت شغف رکھتے ہیں..... "یقین" سمیہ جہادی کی درود شریف کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہوئی زبردست کوشش.....جس سے دل میں درور کی اہمیت مزید پختہ ہوئی.... "سلطان ٹیپو شہید" سلسلہ بھی تاریخ کے کارناموں سے واقفیت کرواتا ہوا جاری و ساری ہے....اس کے علاوہ کچھ نئے نام بھی نظر آئے.... خوش آمدید......انعم توصیف صاحبہ نئے مہمان کے ساتھ غیر حاضر رہیں..... بنت کشمیر آپی سعدیہ جہادی اللہ تعالیٰ ان کے اوقات میں برکت نصیب فرمائیں.... اور وہ پہلے کی طرح باقاعدگی سے رسالے میں لکھتی رہیں.....آدھی ملاقات میں بھی رونق رہی..... بوجھ بجھکڑ صاحب کے گرم گرم جوابات کا تو بے صبری سے انتظار ہوتا ہے......

باقی تمام رسالہ بھی بہت اچھا تھا.....اور اس کیلئے مدیر محترم قابل داد ہیں جو انتھک محنت سے اس رسالے کو تیار کرتے ہیں۔والسلام

دعاؤں کی درخواست

خنساء الطاف باجوہ

☆ .... ☆ .... ☆

السلام علیکم!

امید کرتا ہوں مسلمان بچے رسالہ کے تمام ارکان ۔اللہ تعالی کے فضل و کرم سے خیر وعافیت میں ہونگے۔اللہ پاک سے دعا ہے اس رسالہ کو اور اسکے ہر قسم کے معاون، اور اسکے پڑھنے والوں کو اللہ پاک اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

مدیر محترم یہ میرا دوسرا خط ہے۔عرصہ دراز کے بعد لکھ رہا ہوں نا لکھنے کی وجہ تو مصروفیت کے ساتھ سستی نے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا اور اب لکھنے کی خاص وجہ خط والا سلسلہ کم ہوتا جا رہا ہے تو ہمت کر کے اسکو پھر سے کندھا دینے کی کوشش کر رہے ہیں مگر اس کہاوت کا ڈر بھی ہے کہ" دیکھو اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے"کہاوت سمجھ تو آ گئی ہوگی مگر تھوڑی سی وضاحت مناسب رہے گی کہ یہ ہمارا خط کہیں بڑے منہ والی ٹوکری میں نا چلا جائے۔

والسلام

قاری گلزار احمد ڈیرہ اسماعیل خان

☆ .... ☆ .... ☆



تحریروں کی دُنیا

قلم کی حقیقت

"تمہیں ہرگز فکر نہیں کرنی چاہیے کہ قارئین تمہاری تحریر کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ تمہارا کام اپنے شعور کو استعمال میں لاتے ہوئے خوبصورت خیالات کو قارئین تک پہنچانا ہے۔ وہ جو چاہیں اس پر ردعمل ظاہر کریں کیونکہ یہ ان کا ذاتی فعل ہے جو تحریر کی پسندیدگی و ناپسندیدگی پر منحصر ہوتا ہے۔"

"آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں بھائی؟" خجستہ نے جب افضل کی بات سنی تو ایکدم حیرانی سے بولی۔

"آپ مجھے بتائیں کہ اس میں غلط کیا ہے؟ اگر کوئی قاری آپ کی تحریر کی اچھائی بیان نہیں کرتا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسے آپ کا لکھا ہوا پسند نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کی بات اسے سمجھ نہ آئی ہو۔" افضل نے حیران زدہ خجستہ کو جواب دیا۔

"لیکن بھائی! لکھنا تو بہت محنت کا کام ہے۔ اگر کوئی قلم پکڑ کر صفحہ قرطاس پر الفاظ و خیالات کو منتقل کرتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ پڑھنے والا پسندیدگی کا اظہار کرے۔"

"نہیں خجستہ! یہ بالکل غیر مناسب سوچ ہے۔ لکھنے کا عمل تعریف و توصیف سے بالاتر ہوتا ہے۔ انسان تب ہی کچھ لکھتا ہے جب اس کے خیالات کی

رُو دیگر انسانوں سے زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھاری کو اپنا حق مل چکا ہے اور اب وہ اپنے فرائض ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

یہ سن کر خجستہ کے ماتھے پر پریشانی کی سلوٹیں اور بھی گہری ہو گئیں اور وہ بولی۔

"میں آپ کی بات سے متفق ہوں مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ قلم کا استعمال کر کے انسان اپنے افکار کی ترویج کرتا ہے۔معاشرے میں بہتری کا خواہش مند ہوتا ہے مگر یہی سماج اس کے لیے مسائل پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔"

"خجستہ! یہ مسائل ہر لکھاری کے ساتھ پیش آتے ہیں خصوصاً جب وہ نیا نیا لکھنا شروع کرتا ہے۔میں آپ کو لکھنے کے عمل کی مثال والدین کی محبت سے دیتا ہوں۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو والدین اس کی تربیت میں اپنا دن رات ایک کر دیتے ہیں۔اس کی ہر جائز خواہش کو مکمل کرتے ہیں اور اسے بہترین دینی و دنیاوی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں مگر بدلے میں کسی انعام کی توقع نہیں رکھتے ہیں۔اگر وہ اپنے ہی بچے کی پرورش کا صلہ چاہیں گے تو کون دے گا؟

اسی طرح لکھاری کے لیے قارئین بھی اولاد کی طرح ہوتے ہیں۔جس طرح بچہ کھانے پینے کی چیزوں میں پسندیدگی و ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے اور بعض اوقات چپ سادھ لیتا ہے ویسے ہی قارئین کا ردعمل ہوتا ہے۔اگر انہیں تحریر پسند ہو تو وہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں ورنہ تنقید کرتے ہیں اور کچھ قارئین اپنے لکھاری کی محنت کو سراہنے کے لیے بھی خاموشی اختیار کر لیتے ہیں تاکہ انہیں برا نہ لگے۔"

افضل یہ بول کر خاموش ہوا تو خجستہ کے چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔اس نے افضل کی طرف دیکھا اور کہا۔

"بھائی! میں اب سمجھ چکی ہوں کہ مجھے کامیابی اور تعریف کے پیچھے نہیں دوڑنا بلکہ اپنے مقصد پر نظریں جمائے احتیاط سے قلم کا دامن پکڑ کر الفاظ کے پھول بوٹے بنانے ہیں تاکہ قارئین کی نگاہیں ان خوشنما الفاظ سے ٹھنڈک حاصل کر سکیں۔"

"بالکل یہی بات ہے میری پیاری لکھاری بہنا! اب میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو سمجھ آ گئی ہو گی کہ لکھاری کو صرف اپنی بات لکھنی ہے اور قارئین تعریف و تنقید کا حق رکھتے ہیں جسے دل آزاری نہیں بلکہ ایک قاری کی لکھاری کی تحریر پر رائے سمجھنا چاہیے۔"

"جی بھائی! میں اب ان جذبات سے بالاتر ہو کر قلم کا استعمال کروں گی تاکہ میرے قارئین مجھے اصلاح کا موقع دے سکیں۔"

یہ سنتے ہی افضل کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑنے لگی اور انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ خجستہ کی شکل میں ادبی دنیا کو نئی سوچ سے پروان چڑھی لکھاری ملنے والی تھی جس کا واحد مقصد ادب لکھنا تھا۔

محمد بن کریم

☆....☆....☆

معافی کا وقت اور جگہ

آج جب ظہر کی نماز پڑھانے کے لیے اپنی مسجد پہنچا تو دیکھا کہ ایک ستر سال کے بزرگ بابا ہاتھ اٹھا کر، چپلوں کی جگہ پر، مسجد داخل ہونے سے، پہلے دعا مانگ رہے ہیں، میں نے پوچھ لیا کہ چاچا کیا دعا مانگ رہے ہیں؟

کہنے لگے: کہ بس اللہ جوانی کے تمام گناہ معاف فرمادے اور مرنے کے بعد قبر کے عذاب سے بچادے، قسم سے اب بہت ڈر لگتا ہے کہ قبر میں کیا ہوگا؟ اور کہا کہ یہ معافی کی جگہ ہے بس ابھی معافی مل جائے تو کام بن جائے ورنہ تو برا حال ہوگا ابھی وقت ہے، جب بھی مسجد داخل ہونے لگتا ہوں اسی طرح معافی مانگ کر داخل ہوتا ہوں۔

میں نے تسلی دی۔

لیکن مجھے سبق مل گیا کہ ستر سال کے ہوگئے اب تک کتنی نمازیں پڑھیں ہونگیں؟ کتنے استغفار کیئے ہونگے؟ اور اب کونسے گناہ وہ کرسکتے ہیں بس جوانی کے گناہوں کی فکر ہے! اور جب ایمان پکا ہوتا ہے اور یقین کامل پیدا ہوتا ہے کہ مرنا ہے، اور پھر قبر ہے، پھر قیامت ہے، حساب کتاب ہے، اعمال تلیں گے۔ اللہ کو حساب دینا ہے تو پھر یہی حالت ہوجاتی ہے۔

اور ان کا مسجد کا ادب دیکھیں اور زندگی کی قدر دیکھیں کہ یہی وقت ہے توبہ کا اور یہ معافی کی جگہ ہے۔

اور ہم نوجوان کتنے گناہ کرتے ہیں کبھی ہمیں سچی توبہ کا خیال آیا؟

کبھی یہ خیال آیا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ اور قیامت میں اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے! اسی کو حساب کتاب دینا ہے! اسی کو منہ دکھانا ہے! اور وہی فیصلہ کریگا!!!

بس مجھے صرف اسی کے لیے فکر مند کرنا تھا۔

اللہ ہم سب کو غفلت سے نکالے اور سچی توبہ کی توفیق دے آمین۔

مولانا عبدالرحمن مدنی

خوبصورت وصف

میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک ایسا وصف ہے جو کسی بھی انسان کو بہت خوبصورت بنا دیتا ہے، اسکی شخصیت کو چار چاند لگا دیتا ہے اور وہ ہے "عاجزی"

عاجزی، خالق کے سامنے، مخلوق کے آگے، اللہ کی توفیق سے!

اللہ ہمیں اپنے عاجز بندوں میں شامل کرے۔ آمین

اقصیٰ امتیاز

آرٹ گیلری

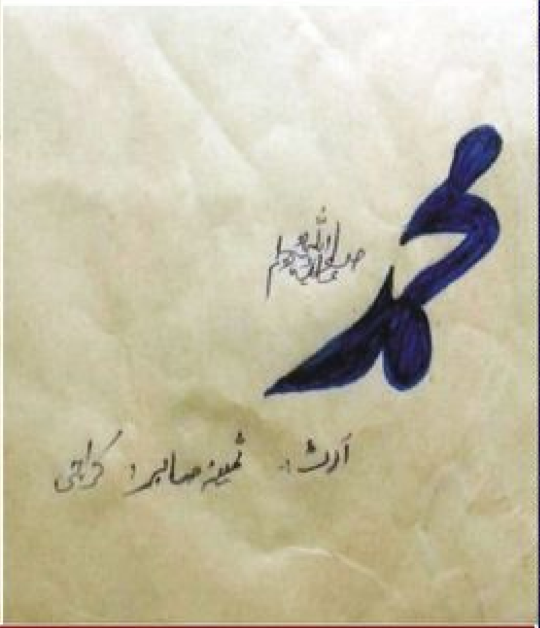






ام ہانیہ




محمد
آرٹ: ثمینہ صابر، کراچی


ان اللہ مع الصابرین




محمد رسول اللہ
آسیہ
کراچی

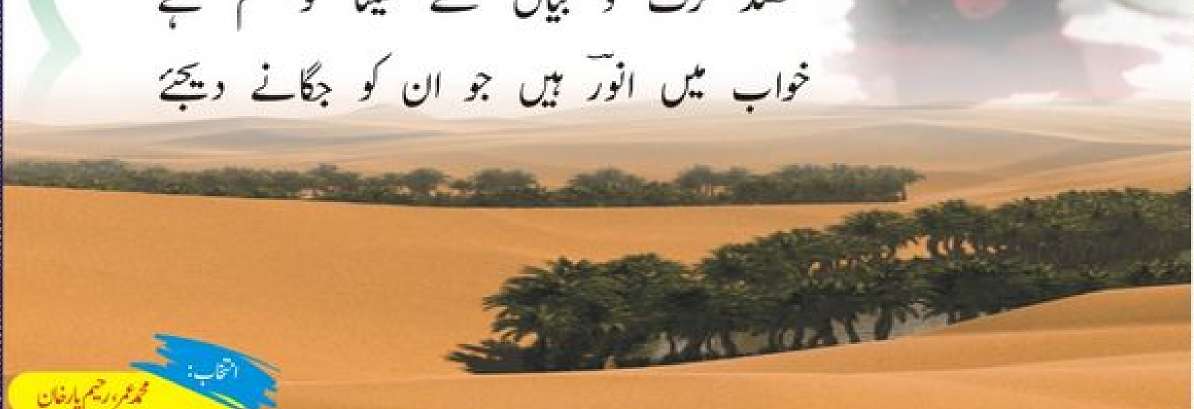




ہم مجاہد ہیں

بازوئے شمشیرزن کو آزمانے دیجئے
ہم مجاہد ہیں ہمیں جوہر دکھانے دیجئے
ہم کو ٹکرانا ہے ہر فرعون سے ، نمرود سے
روکئے رستہ نہ اب میداں میں جانے دیجئے
جس کی محبوب خدا نے کی تمنا بارہا
اس شہادت کی ہمیں لذت اٹھانے دیجئے
عشق دنیا کی غلاظت کے لئے تو مرمٹے
وصل حق کے شوق میں خوں میں نہانے دیجئے
لٹ چکی ہیں کب سے قلب و روح کی رنگینیاں
ہم کو حرب و ضرب کی محفل سجانے دیجئے
ہر طرف چھائی ہوئی ہیں ظلمتیں ہی ظلمتیں
پھر جہادی نور کی شمعیں جلانے دیجئے
تھا در مقتل مقفل اک زمانے سے یہاں
قرض ہے صدیوں کا یہ، اس کو چکانے دیجئے
مال و منصب کی پرستش میں گنوادی زندگی
چند ہی سانسیں ہیں باقی ، اب تو جانے دیجئے
مقصد حرف و بیاں سے کھیلنا تو ظلم ہے
خواب میں انورؔ ہیں جو ان کو جگانے دیجئے





انتخاب: محمد عمر، رحیم یار خان